مذہبی جوش، قومی و ملی جذبات اور بے لاگ صداقت سے معمور ہین، گھریلو زندگی اور رنج کے واقعات مین بھی مولٰنا کی وضعداری خصوصیت نمایان ہین، یہ سب کو معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی کا آخری دور ہر طرح کی پریشانیون مین گذرا، ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے ان حالات مین بھی کس ہمت و استقلال اور اعتماد و توکل علی اللہ سے کام لیا، اور نازک سے نازک لمحات بھی انکو ملک و ملت کی خدمت سے غافل نہ کرسکے، ان خطوط سے مختلف زمانوں کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے، یہ مجموعہ مولٰنا مرحوم کے خطوط کا بہت مختصر حصہ ہے، جن لوگون کے پاس مرحوم کے خطوط موجود ہین، امید ہے کہ وہ اس قومی امانت کو عام کرنے مین بخل سے کام نہ لین گے، اور آیندہ اڈیشن اس سے زیادہ مکمل ہو گا،

میرے نغمے از جناب سلام مچھلی شہری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت: عہ، پتہ: اردو سوسائٹی، دفتر اضطراب جاپلنگ مارٹ نظیر آباد، لکھنؤ،

نوجوان شعراء مین جناب سلام مچھلی شہری کا نام کافی متعارف ہوچکا ہے، میرے نغمے ان کے کلام کا مجموعہ ہے، سلام صاحب کا اصل رنگ اور ان کا طبعی میلان ترقی پسند شاعری کیجانب ہے، اور اسی حیثیت سے وہ روشناس بھی ہین، لیکن قانونی موانع کی بنا پر ان کے کلام کا یہی حصہ اس مجموعے مین شامل نہ ہوسکا، اس مین صرف غیر سیاسی واقعات وحالات اور تصورات و تاثرات پر چھوٹی بڑی چون نظمین ہین، ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ہونہار شاعر ہین شاعری کی فطری صلاحیت ہے، اور وہ جو کچھ کہتے ہین، متاثر ہوکر کہتے ہین محض آورد اور نقالی نہین ہوتی، اس اعتبار سے انکی بعض بعض نظمین بہت اچھی ہین، لیکن ابھی کہیں کہین الفاظ کی خامی نظر آتی ہے، مثلاً "دل افزائیان" "نعمات زندگی بہار رقصیدہ" "رنگ گذشتہ" لیکن امید ہے، کہ مشق سے یہ خامی جاتی رہے گی بہرحال ہونہار شاعر کا یہ مجموعہ یقیناً قدر افزائی کا مستحق ہے،

"م"

جلد ۴۷ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۱ء عدد ۶

مضامین

شذرات

زمانہ کے انقلابات جہان نوجوان مسلمانون کو دنیا کی نئی عالمگیر تحریکات کی طرف کھینچ رہے ہین، وہان ایسے نوجوان طبقے بھی موجود ہین جو خود اسلامی تخیل اور اس کی عالمگیر تحریک کی حقیقت سمجھنے اور زمانۂ حال کی زبان مین اس کی تعبیر اور فہم و تفہیم کے لئے بیتاب ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تاریخ کے پچھلے دورون مین اسلام کے لئے حسب ضرورت علم کلام کے مختلف نقشے بنتے اور بگڑتے رہے، اسی طرح یہ زمانہ بھی اسلام کے ایک نئے علم کلام کا مقتضی ہے، جس کا مقصد اجتماعی سیاسی و اقتصادی تنظیمات مین اسلام کی صحیح رہبری ہو،

—— •<•>• ——

مجلس نظام اسلامی جو چھتاری کمیٹی کی خواہش کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے کوشش کررہی ہے وہ اسی اقتضائے حال کی تعمیل ہے، مجلسِ اسلامیاتِ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے اس کے سالانہ جلسون مین جو مضامین علما بیان کیا کرتے ہین وہ زیادہ تر ایسے ہی مباحث پر ہوتے ہین جو زمانہ کی ضرورتون کو سامنے رکھکر پیش کئے جاتے ہین، مجلسِ مذکور نے اب یہ طے کیا ہے کہ ان تقریرون مین سے اہم مباحث کو رسالون کی صورت مین شائع کیا جائے، چنانچہ اس سے پہلے اسلامی نظامِ سلطنت کے ایک پہلو پر اور اب اسلام اور سائنس پر اور آئندہ ایمان باعتبار بنیاد عمل پر ایک رسالہ شائع کیا جارہا ہے،

اسی سلسلہ مین ابھی ایک خط ہم کو مسلم یونیورسٹی کے ایک پرجوش اور صاحب فکر طالب علم خورشید الاسلام صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہے جس مین انھون نے اپنی انقلاب مجلس کی طرف سے ایک مجموعہ کی اشاعت کی اطلاع دی ہے، جس مین امام غزالی سے لیکر جمال الدین افغانی اور اقبال تک مفکرین اسلام نے جتنے نظریئے پیش کئے ہین ان کی تشریح ہوگی۔

—— ✻ ——

طالب علم موصوف کے خط کو ہم اس غرض سے یہان نقل کرتے ہین تاکہ ہمارے نوجوانون کے خیالات کی ایک ہلکی سی تصویر اہلِ فکر کے سامنے آجائے، وہ لکھتے ہین:

"جیسا کہ آپ کو اعلان سے معلوم ہوگا، ہم لوگون کی تجویز ہے کہ ایک ایسی کتاب شائع کی جائے، جو ہمارے سامنے ہمارے بڑے بڑے مفکرین کی زندگی اور خیالات کو اس طرح پیش کرے، کہ مسلمانون اور بالخصوص موجودہ دور کے، مذہبی اور سیاسی عقائد پر اس کا عمدہ اثر ہو، مستقبل کی تعمیر مین جہان شخصیتین بظاہر پیش پیش نظر آتی ہین، وہان اصول اور نظریئے تہ مین کام کرتے ہین، نظریون مین جس قدر سچائی، گہرائی اور توانائی ہوگی، تحریکین اسی قدر کامیاب کوششین اسی قدر بارآور اور مستقبل اسی قدر شاندار ہوگا، ابھی تک ہماری تحریکین وقتی جوش کا مظاہرہ رہی ہین اور بس، ہم نے صرف ردِ عمل کیا ہے، ہم تھوڑا سا احساس پیدا کرسکے ہین، لیکن حرکت اور رفتار کے عناصر ہماری قوم سے ابھی تک مفقود ہین، جو نوجوان شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہین، وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہین ہوتے کہ اسلام زندگی کا ایک نظام ہے، وہ بڑا احسان کرتے ہین تو اسلام کو صرف ایک نجی معاملہ مان لیتے ہین، نہ زیادہ نہ کم، بزرگ اپنی جگہ اتنے مطمئن ہین کہ حجرہ کی جالیون سے باہر جھانکنا بھی پسند نہین کرتے، اور وہ جہان جوقوم کے سیاسی مزاج کو سنوار رہے ہین، دورِ حاضر کی کمزوریون، پیچیدہ نظریون اور سیاسی تخیلات سے مطلق بہرہ نہین رکھتے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم ان بزرگون کے نظری (Theoritical.) اور عملی (Practical) فلسفے کو ایک بار گرد و غبار ہٹا کر پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرین۔۔۔

. . . . . فلسفہ پر درسی کتابین بہت موجود ہین اور خصوصاً نظری پہلو پر، لیکن یہ بقول ایچ، جی ویلز، "روٹی کے بجائے چکی کے ٹکڑے" چبانا ہین، اسی لئے ہم اس کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہین، حضرت رومیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ڈاکٹر اقبالؒ ہماری زندگی کو کن سانچون مین ڈھالنا چاہتے ہین، اسے کیا آب ورنگ دینا چاہتے ہین، ہماری معاشرتی اور سیاسی اصلاح کن بنیادون پر ہونی چاہیئے، آجکل کے مسائل کیا ہین، وہ زمانۂ ماضی کے مسائل سے کس حدتک اپنی فطرت اور کردار مین مختلف ہین، آیا یہ بزرگ اسلام کی روشنی مین ان کا کوئی حل پیش کرتے ہین یا نہین، موجودہ جمہوریت، آمریت اور بادشاہی کس حدتک اسلام کی زد مین آتی ہین، آیا اسلامی سوسائٹی کے لئے اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے یا نہین، اشتراکیت کا جواب ہمارے پاس کیا ہے، اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے کیا دنیا، خدا کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے، اور اگر قانون کو خدا کی ذات سے انسانی سماج کی طرف منتقل کردیا جائے تو انسان آزادی، سربلندی اور خوشی کی زندگی گذار سکتا ہے، یہی سینکڑون مسائل ہین، جنھون نے ہمارے دماغون کو پراگندہ کردیا ہے، آجکل سماجی مسائل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس لئے ہمین اسلام کی زندگی، صحت اور فوقیت تسلیم کرانا ہوگی، ورنہ دنیا ہی گمراہی کی طرف نہین جائے گی بلکہ جون جون یہ مغربی تعلیمات یا روس اور جرمن نشان کے نظریئے پھیلتے جائین گے، مسلمانون کو دین اور اس کے بعد قوم پر سے یقین اٹھتا جائے گا، مجھے یقین ہے کہ آپ میری بے تکلفی کو معاف فرمائینگے۔

مقالات

تدوینِ حدیث

از

جناب مولٰنا مناظر احسن گیلانی، استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۳)

حدیث کے زندہ نسخے

بہرحال صحابہ کا ذوق اتباع، اتباع مین حتی الوسع ممکنہ حدتک اپنے کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کرنے کی کوشش، اور اسی رنگ مین دوسرون کو رنگنے کا ان مین بے پناہ جذبہ، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جن کا مین نے ذکر کیا، اگر اس کے بعد مین یہ دعویٰ کرون کہ جن واقعات وحالات اور جن اقوال وملفوظات کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا، صحابہؓ کرام اپنے اپنے علم کی حدتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ مثنی بنے ہوئے تھے، اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عہد صحابہ مین بجائے ایک نسخہ کے ہزارون نسخون کی صورت مین موجود ہو چکی تھی، تو کیا میرے اس دعوی کو کوئی غلط ثابت کرسکتا ہے، پس تدوینِ حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابہؓ کرام کی زندگی تھی، اور یہی تھی حفاظتِ حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور ہونے کی پہلی صورت، میرا یہ دعوی نہین ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی مین بالکلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوبہو نقل تھے، اگرچہ خلفاے راشدین ہی نہین بلکہ

درجہ مین ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہین، ہم کتابون مین یہ الفاظ ان کے متعلق پاتے ہین، عبد الرحمن بن زید سے ترمذی مین مروی ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا :-

حدثنا باقرب الناس من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیا ودلا نلقاہ فناخذ عنہ و نسمع منہ،	مجھے بتایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال مین جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے تاکہ ہم اُن سے ملون، اوران سے علم حاصل کرو اور ان حدیثین سنون،

ایک معاصر دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہین :-

اقرب الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرز وروش چال ڈھال، وضع و انداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعود ہین،

صرف ان ہی باتون مین نہیں جن کا تعلق شریعت و قانون سے ہے، بلکہ بعض صحابہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہوبہو تصویر اتارنے کے لئے یہان تک کرتے تھے، کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عام طور سے مشہور ہے، :-

کان یتبع آثارہ فی کل مسجد	جن جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ فن تنقید رجال میں انسانی فطرت کی اس کمزوری کا خیال کیا گیا ہے، جس کی تعبیر المعاصرۃ اصل المنافرۃ "ہم عصری باہمی نفرت کی بنیاد ہے" کے مشہور فقرہ سے کی گئی ہے، اسی لئے معاصر کی معاصر کے متعلق تعریف بہت اہم سمجھی جاتی ہے، ۱۲

صلی فیہ وکان یعترض براحلتہ فی طریق رائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض ناقتہ، (اصابہ)	نے (استون) میں نمازین پڑھی تھین، ابن عمر ان مقامات کو تلاش کرتے تھے (اور نمازین پڑھتے تھے) راہ میں جہان کہین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رُخ پھیرا تھا، ابن عمر بھی قصداً اس مقام پر پہنچ

یہانتک بیان کیا گیا ہے، کہ سفر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر استنجا کے لئے اونٹ سے کہین اتر کے بیٹھتے، تو باوجود عدم ضرورت کے استنجا کرنے والون کی شکل بنا کر ابن عمرؓ اونٹ سے اتر کر وہان بیٹھا کرتے، اسی سلسلہ مین ان کی یہ عام عادت بیان کیجاتی ہے :

یسئال من حضر اذا غاب عن قولہ وفعلہ، (اصابہ)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول وفعل سے یہ غائب رہتے، تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے، ان سے پوچھ لیتے،

امام مالک سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا کہ

اسمعت المشائخ یقولون من اخذ بقول ابن عمر لم یدع الاستقصاء قال نعم، (اصابہ)	کیا آپ نے بزرگون سے یہ سنا ہے، کہ ان کا خیال تھا جس نے ابن عمر کے قول کو اختیار کیا، اُس نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں) کوئی چیز

بہرحال یہی "استقصا" یا سیرت طیبہ کی کامل "تصویر کشی" یا "ہوبہو نقل" اتارنی نصب العین تو سب ہی کا تھا، لیکن ہر شخص کے لئے اس کا میسر آنا آسان نہین ہے تاہم اسی کے ساتھ جتنے بھی صحابی تھے، ان کی زندگی کا بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قالب مین ڈھلا ہوا تھا،

اور اسی بنیاد پر مین ہر صحابی کو در اصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح مین اجازت دیجئے، تو اڈیشن قرار دیتا ہون، یہ اور بات ہے کہ ان مین بعض اڈیشن بہت زیادہ کامل اور حاوی تھے اور بعض مین وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی، اور اگر صحابہ کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے، صحیح ہو تو ایمان واسلام اور جوش عمل کی ان مین جو سینہ زوریان تھین، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا، کہ عہد نبوت مین ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے، اس کے کامل وناقص زندہ نسخون اور اڈیشنون کی تعداد لاکھون تک پہونچ چکی تھی، کیا دنیا مین کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود ہے، جس کے عینی شاہد اتنی تعداد مین خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہون، ؟ اور کیا آیندہ ان نسخون کی تعداد مین کوئی کمی ہوئی، ؟ کاملیت کے اعتبار سے جتنی بھی کمی ہوئی ہو، لیکن کمیت اور مقدار کے لحاظ سے ہر شخص جانتا ہے، کہ اس تیرہ ساڑھے تیرہ سو کی صدیون مین ہر سال اسکی تعداد مین اضعافاً مضاعفۃً اضافہ ہی ہوتا رہا، اور ہو رہا ہے، ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ مین آباد ہو، آج اسکی زندگی مین جتنے صحیح مذہبی اور اخلاقی عناصر شریک ہین، کیا یہ اسی تاریخ کے کسی حصہ کا عکس نہیں ہے، ؟ آج بھی جو مسلمان ہندوستان کے کسی کور دہ دیہات مین جو نماز پڑھتا ہے قسم کھا کر کہہ سکتا ہے، اور یقیناً وہ اپنی اس قسم مین سچا ہے، کہ وہ اسی طرح ہاتھ اوٹھاتا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے، وہی کہتا ہے جو حضور کہتے تھے، وہی پڑھتا ہے جو حضور پڑھتے تھے، اسی طرح وہ جھکتا ہے جس طرح حضور جھکتے تھے، اسی طرح زمین پر سر رکھتا ہے جس طرح حضور رکھتے تھے، اسی پر مسلمانون کے دوسرے مذہبی اور دینی اعمال وعقائد کو قیاس کر لیجئے، کچھ نہین تو کم از کم اس تاریخ کی کوئی ایک آدھ ہی بات کلمہ شہادت ہی سہی، اس تاریخ کا یہ جز تو ہر ایک مسلمان کے اندر اب تک محفوظ ہے،

حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے

اور اسی بنیاد پر کل کے متعلق تو نہیں، لیکن تاریخ کے اس عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کو مین متواتر خیال کرتا ہون، یعنی بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسل لاکھون اور لاکھون کے بعد کروڑہا کروڑ انسانون کے ذریعہ سے مشرق ومغرب مین یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہونچا ہے، اور انشاء اللہ تعالی قیامت تک پہونچتا رہے گا، ان کی مقدار کیا ہوگی، ؟ اس کے لئے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے، کہ امت اسلامیہ کے تمام فرقے جن مسائل پر متفق ہین، تقریباً سب کا یہی حال ہے، عقائد وایمانیات کے سوا طہارت غسل ووضو عبادات نماز روزہ، حج زکوۃ معاملات، عقوبات، سیاسیات، مباحات ومحظورات وغیرہ وغیرہ مختلف ابواب سے ان اتفاقی مسائل کا اگر انتخاب کیا جائے، جو عہد نبوت سے اس وقت تک ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمانون مین طبقۃً بعد طبقۃٍ سلفاً عن خلفٍ تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے مسلّم ہین، کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور طرز عمل تھا تو کون کہہ سکتا ہے، کہ ان کی تعداد ہزارون سے متجاوز نہ ہوگی، اور ان کا شمار کرنا زیادہ دشوار بھی نہین ہے،

گویا قرآن کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب ودغدغہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہین، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وتقریرات کا یہی حصہ ہے، جو ہم تک تعامل وتوارث کے ذریعہ سے پہونچا ہے لیکن اس مسئلہ مین صرف اسی پر قناعت نہین کی گئی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ان معلومات کے ہر ہر جز کو مسلسل روایات کے ذریعہ سے فن حدیث مین محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یون باہم ایک کی دوسرے سے توثیق ہوتی ہے، اب روایتون کے ذریعہ سے یہ چیزین جس طرح مروی ہین، ان کو، اور مسلمانون نے تعامل کے ذریعہ سے ان چیزون کو جس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا ہے، دونون کو سامنے رکھئے، ہر ایک کی تصدیق دوسرے سے ہوگی، البتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ حصہ جس کی منتقلی اس اتفاقی تعامل کے ذریعہ سے عمل مین نہین آئی ہے، ان کے لئے سب سے پہلے تو ہمارے پاس وہی روایت کا ذریعہ ہے، روایت کے اس سلسلہ کی آیندہ کڑیون پر تو آگے بحث آئے گی، عہد صحابہ مین جس حزم واحتیاط کے ساتھ ان چیزون کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی داستان آپ سُن چکے ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر لفظ اور ہر ہر فعل کی نگرانی صحابہ کرام کا ایک ایک نقطہ کے شک مٹانے کے لئے سینکڑون میل کا سفر طے کرنا اس کا ذکر بھی آپ سُن چکے ہین، لیکن بات اسی پر ختم نہین ہوگئی، بلکہ جیسا کہ مین پہلے عرض کر چکا ہون خود صحابہ بھی ایک دوسرے سے اس معاملہ مین پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، ہر ایک اپنے علم کو دوسرے کے علم پر پیش کرتا تھا، ان کے اس طرزِ عمل ہی سے روایت کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی،

متابعات اور شواہد اسی کے ساتھ صحابہ سے روایت کرنے والے حتی الوسع اس کی کوشش کرتے تھے، کہ ایک ہی روایت کو جن جن صحابیون سے سننا ممکن ہو، اس مین کمی نہ کیجائے، اصطلاح حدیث مین روایت کے اس طریقِ عمل کا نام "متابعت" تھا، اور جو روایتیں اس طریقہ سے حاصل کی جاتی تھین، یعنی ایک ہی واقعہ کو تصدیق وتوثیق کے لئے شاگرد اپنے استاذ کے رفیقون اور ہم عصرون سے بھی جو روایت کرتا ہے، تو ان کا نام اصطلاحاً متابعات وشواہد ہے، جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا، محدثین مین توابع وشواہد کے جمع کرنے کا شوق زیادہ شدت پذیر ہوتا رہا، آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی، کہ صرف ایک مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات سات سَو طریقوں سے مروی ہے یعنی حدیث ایک ہے، لیکن اس کی سندین سات سو ہین، اور یہ عدد بھی ایک خاص نقطۂ نظر سے ہے، ورنہ اس حدیث کے طرق در اصل اس سے بھی زیادہ ہین، روایتون مین قوت پیدا کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا، محدثین نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے، جس کا قصہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ آئے گا، حدیث

کی مشہور کتاب صحیح مسلم مین امام مسلم کا نقطۂ نظر زیادہ تر اسی عمل پر مرکوز رہا ہے، خیر یہ تو بعد کو ہوا لیکن عہد صحابہ مین بھی جہان تک ممکن ہوا ہے، اس طریقہ کے برتنے کی کوشش کی گئی ہے، اسی کا نتیجہ ہے، کہ غیر متواتر حدیثون کا بھی جو ذخیرہ آج ہمارے پاس ہے، زیادہ تر اس مین ایک ایک حدیث کے راوی آٹھ آٹھ دس دس صحابی ہین، مشہور محدث امام ترمذی نے اپنی کتاب مین جہان اور بہت سی مفید باتین اضافہ کی ہین، اس کا بھی التزام کیا ہے، کہ ہر حدیث کو بیان کرکے آخر مین بتاتے ہین، کہ کن کن صحابیون سے یہ حدیث مروی ہے، اور یہ تو واقعہ کے عینی شاہدون یا معصرون کی تعداد ہے، بعد کو یعنی صحابہ کے شاگردون، اور ان کے شاگردون کی شاگردون کی تعداد مین جو اضافہ ہوتا چلا گیا اُس کا تو شمار کرنا مشکل ہے، لیکن ہمارے پاس بحمد اللہ ایسی ایک نہین متعدد کتابین موجود ہین جن مین ہر حدیث کے تمام اسناد ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہین، آج دنیا مین کون ہے جو گذرے ہوئے واقعات مین سے کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی وثوق واعتماد کے ان آہنی ذرائع کو پیش کر سکتا ہے، باسورتھ اسمتھ حدیث کی اسی تاریخی ثقاہت کو دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے :-

"کوئی شخص یہان سیرۃ نبوی کے متعلق نہ خود کو دھوکہ دیسکتا ہے، اور نہ دوسرے کو دیسکتا ہے، کہ یہان دن کی پوری روشنی ہے" محمد اینڈ محمڈنزم از باسورتھ اسمتھ ص۱۰۸، منقول از سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم"

لیکن ابھی بات پوری نہین ہوئی، ایک اہم نقطہ بحث کا ابھی باقی ہے، قبل اس کے کہ مین ادھر توجہ کرون، ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے چلون، عموماً لوگون کا یہ خیال ہے کہ حدیث کی ابتدائی نوعیت کسی علم کی نہین تھی، متفرق طور پر متفرق صحابیون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ سنا یا کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر یا تو بہ ضرورت انھون نے کبھی اس کا اظہار کر دیا، یا بعض تو یہان تک خیال کرتے ہین، کہ جیسے گھر کے پرانے بڑے بوڑھے اپنی ریٹائرڈ زندگی مین، نوجوانون کے درمیان

بیٹھ کر اپنے عہد نوجوانی کے قصے دل بہلانے اور گرمی بزم کے لئے بیان کرتے ہین، یونہی العیاذ باللہ حدیث کی ابتدا ہوئی، بعد کو پھر بتدریج لوگون نے اس کو ایک علم بنالیا، ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سیرۂ طیبہ کو جو تعلق قرآن اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی بنا پر مسلمانون کی اخلاقی و مذہبی زندگی سے تھا، آپ اس کا حال سُن چکے، کیا اس کے بعد کوئی ایک سکنڈ کے لئے بھی سوچ سکتا ہے، کہ خدانخواستہ کسی زمانہ مین بھی آپ کے اقوال و اعمال خصوصاً عہد صحابہ مین اتنے غیر اہم ہو سکتے تھے، جیسا کہ اس شیطانی وسوسہ کا اقتضا ہے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے اس کے ذمہ دار تھے، کہ قرآن کی تعمیلی شکل اور اس کے تشریحی مطالب کو خود اپنی زندگی کے نمونون سے مسلمانون کو بتائین، اور مسلمان بھی اس کے ذمہ دار قرار دئے گئے ہین، کہ ان کو اپنی زندگی کا جزء بنائین، اور دوسرون کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کرین، ایسی صورت مین دیوانون کے سوا اس قسم کے اوہام مین اور کون مبتلا ہو سکتا ہے، ماسوا اس کے خود عہد نبوت مین جیسا کہ چکا ہون کہ قرآن اور سنن و سیرت کے سیکھنے سکھانے کے لئے ایک باضابطہ تعلیم گاہ صفہ کے نام سے قائم تھی، جس مین طلبہ کی تعداد ایک ایک وقت مین اسی اسی تک ہوتی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم دینے کا کام ابوہریرہؓ ابن مسعود، زید بن ثابت، اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم عہد صحابہ مین انجام دیتے تھے، مسلمان ہو ہو کر باہر سے لوگ آتے تھے، اور حسب ضرورت اس مدرسہ مین قیام کر کے اپنے گھر جاتے تھے، خود قرآن مین اس کا حکم بھی دیا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے،

فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم	پھر ایسا کیون نہ ہو کہ ہر فرقہ سے ایک
طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و	گروہ روانہ ہوتا کہ دین کی سمجھ حاصل
لینذروا قومھم اذا رجعوا	کرے، اور اپنے لوگون کو ڈرائے جب

الیھم لعلھم یحذرون،	انکی طرف واپس ہو، ہو سکتا ہے کہ لوگ
(توبہ)	(اسکے بعد) پارسائی اختیار کرین،

اس مدرسہ مین انھین کن کن باتون کی باضابطہ تعلیم دیجاتی تھی، حدیثون مین اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے، فروہ بن مسیک جو یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے، اور بعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے قبائل مراد و زبید و مذحج کے گورنر بنا کر بھیجے گئے، ان کے ذکر مین بیان کیا جاتا ہے؛

جاء من الیمن و تعلم القرآن	یمن سے آئے اور قرآن اور اسلام کے فرائض
و فرائض الاسلام و شرائعہ (ابن سعد)	و قوانین کی تعلیم حاصل کی،

اور یہ تو ان لوگون کی تعلیم کا طریقہ تھا، جو خود مدینہ چلے آتے تھے، لیکن جو نہین آسکتے تھے ان کے لئے آستانہ نبوت سے باضابطہ معلمین بھیجے جاتے تھے، اسی سلسلہ مین بیر معونہ اور رجیع کے معلمون کا مشہور واقعہ ہے، جن مین ان بیچارے معلمون کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا تھا، ان کے سوا حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منجملہ اور اغراض کے تعلیمی غرض سے بھی یمن بھیجے گئے تھے، حضرت معاذؓ کو جو حکم دیا گیا تھا اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہین،

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
وسلم الی قومی ادعوھم الی	قوم کی طرف اس لئے بھیجا، کہ ان کو
اللہ تبارک تعالیٰ و اعرض	اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلاؤن،
علیھم شرائع الاسلام (مستدرک)	اور ان پر اسلامی قوانین پیش کرون،

الغرض قرآن کے ساتھ ساتھ شرائع اسلام یعنی قرآن کے احکام کی تعمیلی شکل جو صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کر کے بتایا کرتے تھے، عہد نبوت ہی مین ان دونون ہی کی حیثیت مستقل علم کی

ہو چکی تھی، حدیث کا وہ ذخیرہ جس میں تعلیم و تعلم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں ابھارا ہے، آج کل کی لیڈرانہ تقریروں میں تو اوس کے تحت داغ اور امیر کی شاعری اور شیکسپیر کا تی داس کے ڈراموں تک کو داخل کر دیا جاتا ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ زیادہ تر ان سے مراد انہی چیزوں کی تعلیم تھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسا کہ ہونا چاہئے تھا، نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ ان تمام مرکزی شہروں میں جہاں جہاں اسلام کی حکومت پہونچ چکی تھی، اور حضرات صحابۂ کرام کی مختلف جماعتیں وہاں جاکر توطن پذیر ہو گئی تھیں، جن میں خود مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، یمامہ، بحرین، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر کو خاص اہمیت حاصل ہے، جلیل القدر اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم نے ان شہروں کے جوامع میں قرأت کے ساتھ ساتھ روایتِ حدیث کے باضابطہ حلقے قائم کر دیے تھے، مدینہ منورہ میں مردوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور عورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمات اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھے، اسی طرح دمشق میں حضرت ابودرداءؓ، کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ، بصرہ میں عمران بن حصینؓ، از یں قبیل ہر مرکزی شہر میں ان اغراض سے تعلیمی حلقے جاری ہو چکے تھے، حضرت ابوہریرہؓ کا ذوقِ روایت تو اس حد تک پہونچا ہوا تھا، کہ جمعہ کے دن بھی چونکہ مسجد میں عام مسلمانوں کا بڑا مجمع جمع ہو جاتا تھا، اس مجمع کو غنیمت خیال کرکے تقریباً ہر جمعہ میں قبل اس کے کہ امام خطبہ کے لئے منبر پر آئے، آپ کا یہ عام قاعدہ تھا، جیسا کہ حاکم کی مستدرک میں روایت ہے کہ

كان ابوهريرة يقوم يوم الجمعة الى جانب المنبر..... ثم يقبض على رمانة المنبر يقول قال ابو القاسم صلى الله عليه وآله وسلم قال محمد صلى الله

جمعہ کے دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر کے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے، پھر منبر کا گولا تھام کر فرماتے، فرمایا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسول اللہ

عليه وآله وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وآله وسلم ..... فاذا سمع باب المقصورة يخرج الامام جلس،

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے، پھر جب انھیں محسوس ہوتا کہ "مقصورہ"[1] کے دروازہ سے امام نکل رہا ہے تو بیٹھ جاتے،

ابن سعد کی ایک تابعی سے روایت ہے:-

دخل مسجد حمص فاذا الحلقة فيهم رجل جميل وضاح الثنايا وفي القوم من هو اسن منه وهم يقبلون عليه يستمعون كلامه فسالته من انت فقال انا معاذ بن جبل،

(ابن سعد)

کہ وہ شام کے مشہور شہر حمص میں داخل ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت آدمی جن کے دانت الگ الگ تھے، وہ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں، مجمع میں ایسے آدمی بھی ہیں، جو اس حسین آدمی سے عمر میں بڑے ہیں، اور اس پر جھکے ہوئے اسکی باتیں سن رہے ہیں، میں نے پوچھا تم کون ہو بولے میں معاذ بن جبل ہوں،

بصرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے:-

اتيت البصرة فدخلت المسجد فاذا انا بشيخ ابيض الراس واللحية

میں بصرہ پہونچا، اور مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے آدمی جن کے

---

[1] خلفاء پر جب اچانک حملے ہونے لگے، تو مسجد میں ایک کمرہ خاص بنا دیا جاتا تھا جس میں خلیفہ سنتیں وغیرہ پڑھتے، اور اس سے باہر ہو کر منبر پر آتے، اسی کو مقصورہ کہتے تھے، ۱۲،

مستند الی اصطوانة فی حلقة یحد ثھم،
(ابن سعد)

سر کے بال سپید تھے، مسجد کے ستون سے پیٹھ لگا کر ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے حدیثین بیان کر رہے ہین،

ہشام بن عروہ کہتے ہین، کہ

کان لجابر بن عبد اللہ حلقة فی المسجد النبوی یوخذ عنه العلم،
(اصابہ جلد ا ص ۲۱۳)

مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک حلقۂ درس تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے،

اور یہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اکابر اصحاب ہین ہین، اس کے بعد پھر کون کہہ سکتا ہے کہ "فن حدیث" کی حیثیت عہد نبوت یا عہد صحابہ مین باضابطہ علم کی نہین، بلکہ افواہی قصون کی تھی،

حدیث کی کتابی تدوین بہرحال یہانتک تو "فن حدیث" کے وثوق واعتماد کے صرف دو ذریعون پر بحث ہوئی، یعنی ایک تو تعامل، دوسری روایت، لیکن آخر مین ایک سوال رہ جاتا ہے، اور دنیا کے اس کاغذی دور مین عموماً گدگدی اسی کی اٹھتی ہے، دل ہی دل میں لوگ سوال کرتے ہین، کہ یہ سب کچھ سہی لیکن کتابی شکل مین آخر تاریخ کا یہ حصہ کب آیا، گویا اسی زمانہ کو تدوین حدیث کا آغاز قرار دینا چاہتے ہین، اگرچہ واقعہ تو یہی ہے، کہ گذشتہ بالا ساز وسامانون کے ہوتے ہوئے شاید اس کی ضرورت بھی باقی نہین رہتی، بلکہ کتابت کے متعلق جو عربی مذاق تھا، اس کو دیکھتے ہوئے تو اس کی اور بھی کوئی اہمیت نہین رہجاتی، فقہ وحدیث کے مشہور امام اوزاعی تو فرمایا کرتے تھے :-

کان ھذا العلم شیئا شریفا اذا کان من افواہ الرجال یتلاقونه ویتذاکرونه فلما صار فی الکتب ذھب نورہ وصار الی غیر اھله،
(جامع بیان العلم ص ۹۸ ج ۱)

حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس وقت تک تھا جب لوگون کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا، لوگ باہم ملتے جلتے رہتے تھے، اور آپس میں اسی کا مذاکرہ کرتے رہتے تھے، لیکن جب سے حدیثین کتابوں میں درج ہو گئین اوس کا نور اور اوس کی رونق جاتی رہی اور ایسے لوگوں میں پہونچ گیا، جو اسکے

اور اسی لئے تاریخ حدیث کے بیان کرنے والون نے حدیث کی کتابی تدوین کا آغاز کب سے ہوا، اسکی طرف بہت کم توجہ کی، لیکن آج اس کا نتیجہ ہے، کہ جو نہیں جانتے ہین ان مسکینون کو تو یہ باور کرایا جاتا ہے، کہ مسلمانون کی اس حدیث کا کیا اعتبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو برس بعد مدون ہوئی، اچھے پڑھے لکھے لوگ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بیچارے امام بخاری اور مسلم کے سن وفات کو پیش کر دیتے ہین، گویا ان کے نزدیک سب سے پہلے حدیثون کو جس نے قلمبند کیا، وہ یہی حضرات تھے، اور یہ تو خیر جاہلون کی باتین ہین لیکن بعض محدثین کے بیانات سے عموماً ارباب واقفیت بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہین، کہ سب سے پہلے جس نے حدیث مدون کی، وہ ابن شہاب زہری ہین، جن کا زمانہ پہلی صدی کے اختتام کا ہے، گویا یہ لوگ ایک سو برس پیچھے ہٹ کر کتابت حدیث کی تاریخ کو لیجاتے ہین، اس زمانہ کے مطالبون سے پریشان ہو کر بعض بزرگون نے جب زیادہ کدوکاوش، کنج وکاؤ سے کام لیا، تو انھون نے اعلان فرمایا، کہ زیادہ تو نہین لیکن حدیثون کا تھوڑا بہت حصہ عہد صحابہ، بلکہ عہد نبوت مین بھی قید تحریر مین آگیا تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اس میں پوری تحقیق سے کام نہین لیا گیا، ان لوگون کو اپنی تائید مین یہ مغالطہ بھی مل جاتا ہی کہ عہد نبوت وصحابہ مین تحریری ساز وسامان ہی کہان تھا، تھوڑا بہت جو تھا اسی

حیثیت سے کچھ چیزین قید تحریر مین آگئی ہون گی، کتابت و تحریر کے سامانون کی اس زمانہ مین عرب
کے اندر کیا حالت تھی، یہ ایک مستقل مضمون ہے، شروع مین بھی اس کی طرف مین نے اشارہ کیا ہے،
اور اس وقت اگر تفصیل سے کام لیتا ہون تو بات بہت طول ہو جائے گی، اس کے لئے مستقل مقالہ
کی ضرورت ہے، لیکن کم از کم جو قرآن پڑھتا ہے، میری سمجھ مین نہین آتا ہے، کہ وہ عرب جو قرآن
کا ماحول ہے، اس کے متعلق تحریری سامانون کے اس افلاس کا کس طرح یقین کر سکتا ہے، بھلا
جس کتاب کا نام ہی قرآن (پڑھی جانے والی چیز) ہو، فاتحہ کے بعد جس کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت کا
دوسرا لفظ کتٰب ہو، اور مسلسل کتاب زبر اسفار قراطیس لوح کا ذکر تقریباً ہر بڑی سورہ مین بار
بار آتا ہو، پہلی آیت جو پیغمبر پر نازل ہوئی، اس مین پڑھنے لکھنے قلم تک کا ذکر موجود ہو، روشنائی (مداد)
دوات، سفرۃ، کاتبین، سجل کا ذکر جس کتاب مین پایا جاتا ہو، کون خیال کر سکتا ہے، کہ یہ کتاب ایسے
لوگون مین اتری، جو نوشت و خواند سے ایسے عاری تھے، جیسے جنگل کے بھیل اور گونڈ ہین، سر دست
صرف اسی ایک قرآن کے اندرونی اشارہ پر اکتفا کر کے مین اب اپنے دعوی کا اعلان کرنا چاہتا
ہون، کہ عملی تواتر اور روایت ان دو ذریعون کے سوا حدیث کی کوئی معمولی مقدار نہین بلکہ اس وقت
ہمارے پاس اس تاریخ کا جو ذخیرہ موجود ہے، اس کا غالب ترین حصہ کم از کم نمبر اول کی صحیح حدیثون
کی جو تعداد ہے، خود اس کے عینی شاہدون کے زمانہ مین زیادہ تر ان ہی کے ہاتھون سے قید تحریر مین
آچکا تھا، اور اس کے بعد اس دعوی پر یہ اور اضافہ کرتا ہون کہ ان واقعات کا ایک بڑا اجزء جس
طرح تواتر کے ساتھ مسلمانون مین منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور روایت کے متابعاتی وشواہدی طریقون

سلہ مین نے اب تک اس موضوع پر کوئی مستقل مقالہ تو نہین لکھا ہے، لیکن جاہلیت اولیٰ وجاہلیت اخریٰ
کے عنوان سے جو میرا مضمون شائع ہو چکا ہے، اس مین پیش نظر مواد کا ایک حصہ آگیا ہے، خدا نے چاہا تو ان شاء اللہ
اپنے معلومات کو کسی مستقل کتاب کی شکل مین مرتب کر دون گا، ۱۲

سے جس طرح یہ موجودہ شکل مین آیا ہے، ٹھیک اسی طرح اپنے چشم دید گواہون کے زمانہ سے قید تحریر
مین آکر مسلسل اسی طرح کتابی شکل مین باقی رہا، اور اب تک باقی ہے، میرا مطلب یہ ہو کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ممکن ہو کہ ابتدا
مین بعض لوگون نے حدیث کے بعض ذخیرون کو لکھ لیا ہو، لیکن بعد کو وہ کتابی ذخیرے ضائع ہوگئے،
اور درمیان مین پھر زبانی روایت پر اس کا دارومدار رہ گیا ہو، اور آخر مین لوگون نے اسے پھر قلمبند
کیا، ایسا سمجھنا بھی قطعاً واقعات کے خلاف ہے، بلکہ جس طرح گلستان جب سے سعدی نے لکھی، اور
اب تک درمیان مین غائب ہوئے بغیر اسی کتابی شکل مین منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، یعنی اس کتاب
پر ایسا کوئی زمانہ نہین گذرا کہ دنیا سے بالکلیہ ناپید ہوگئی ہو، اور پھر لوگون نے اپنے حافظون کے
ذریعہ سے اسے دوبارہ تحریری شکل عطا کی، جیسا کہ توراۃ وغیرہ کے متعلق ایک دفعہ نہین بار بار یہ
واقعہ پیش آتا رہا ہے، کہ تین تین سو چار چار سو سال کے لئے اس کا تحریری سرمایہ ناپید ہوگیا، اور پھر
سینون سے اس کو سفینون مین لانے کی کوشش کی گئی، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ پر بحمد اللہ
یہ حادثہ کبھی نہین گذرا،

بہر حال یہ تو میرا دعوی ہے، اس دعوی کے ثبوت کے جو ذرائع میرے پاس ہین، اب
انھین پیش کرتا ہون، لیکن قبل اس کے کہ اور باتین بیان کیجائین، پہلے یہ سن لینا چاہئے، کہ اس وقت
امت کے ہاتھ مین حدیثون کا جو معتبر اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود ہے، اس کی مقدار اور ان حدیثون
کی تعداد کیا ہے، یون تو عام طور سے جہان حدیث کے حفاظ کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ
بتائی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو نامعتبر یاد شدہ حدیثون کے سوا جو قابل
اعتماد حصہ محفوظ تھا، اس کی تعداد سات لاکھ کے اوپر تھی، اسی طرح امام ابوزرعہ جو حفاظ حدیث
مین خاص امتیاز رکھتے ہین، ان کی حدیثون کی تعداد بھی سات لاکھ بتائی جاتی ہے، امام بخاری

سلہ منجملہ دیگر عام مصادر کے میری کتاب النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم مین توراۃ وانجیل وغیرہ کے متعلق اس
سلسلہ کے کافی معلومات مل سکتے ہین، ۱۲

کے متعلق عام طور سے لکھتے ہین، کہ انھیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں زبانی یاد تھین، امام مسلم سے لوگون نے ان کا یہ دعوی نقل کیا ہے، کہ اپنی کتاب صحیح کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثون سے مین نے یہ مجموعہ منتخب کیا ہے، اسی طرح مختلف لوگون کی طرف بڑے بڑے اعداد منسوب ہین، لیکن ان بیانون سے عوام جو سمجھتے ہین، کیا اس کا مقصود بھی وہی ہے؟ بات یہ ہے، کہ لوگ محدثین کی ایک اصطلاح سے چونکہ ناواقف ہین اسلئے انھیں حیرت ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی وسوسہ ہوتا ہے، کہ مثلاً امام بخاری کو اگر اتنی صحیح حدیثیں زبانی یاد تھین، تو پھر انھون نے اپنی کتاب مین سب کو کیون درج نہیں کیا، واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت و بیان کا جو روایتی طریقہ ہے، پہلے بھی مین بتا چکا ہوں کہ اس طریقہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے لئے ابتدا سے متابعات و شواہد کی کثرت کا جو طریقہ مروج ہو گیا تھا، یعنی ایک ایک حدیث کو جن جن سندون اور طریقون سے روایت کرنا ممکن تھا، محدثین ان تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان کی اصطلاح تھی، کہ ایک ہی حدیث کو ان کے مختلف طریقون کے اعتبار سے بجائے ایک کے طریقون کے حساب سے شمار کرتے تھے، مثلاً انما الاعمال بالنیات کی حدیث جیسا کہ بیان کر آیا ہون واقع کے لحاظ سے ایک حدیث ہے، لیکن محدثین چونکہ سات سو طریقوں سے اسے روایت کرتے ہین، اس لئے بجائے ایک کے صرف اسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے، اور یہ کسی ایک حدیث کا نہین، بلکہ حدیث کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے، حدیثون کے ان عجیب و غریب اعداد کی بنیاد ایک تو یہ ہے، دوسرے پہلے بھی بتا چکا ہون کہ گو ابتدا مین حدیث جس کے لفظی و لغوی معنی بات کے ہین، اس کا اطلاق محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات علیہ پر کیا جاتا تھا، پھر اس مین وسعت پیدا ہوئی، اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی اس کے نیچے درج کیا گیا، اس طرح رفتہ رفتہ اطلاق مین اور کشادگی پیدا ہوئی، اور صحابہ کے اقوال

فتاوی، فیصلون، بلکہ تابعین و تبع تابعین تک کی چیزون کو بعض لوگون نے "حدیث" کے نیچے داخل کر دیا، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے قدرۃً حدیثون کی تعداد بڑھ جاتی ہے، لیکن عامی خیال کرتے ہین، کہ یہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون کی تعداد ہے، صاحب توجیہ النظر لکھتے ہین :-

ان کثیرا من المتقدمین
کانوا یطلقون اسم الحدیث
علی ما یشمل آثار الصحابۃ
والتابعین وتابعیھم وفتاوٰیھم
ویعدّون الحدیث المروی
باسنادین حدیثین،

متقدمین کی بڑی جماعت عموماً حدیث
کے لفظ کا اطلاق ایسے عام مفہوم پر کرتی
تھی جس مین صحابہ تابعین تبع تابعین کے
آثار و فتاوی سب ہی داخل ہین، نیز
ایک ہی حدیث جو دو سندون سے
مروی ہوتی، اسے دو حدیث قرار
دیتے تھے،

(ص ۹۳)

اور یہی مراد ہے، ابن جوزی کے اس فقرے سے جو حدیثون کے ان اعداد کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہین، کہ ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون (تلقیح ص ۱۸۴) یعنی ان اعداد سے مقصد حدیثون کے متن کی مقدار نہیں ہے، بلکہ ان کے طریقے اور اسناد مراد ہین،

یہ حدیث کے ان بڑے بڑے اعداد کا حال ہے لیکن واقعی وہ حدیثین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے براہ راست تعلق رکھتی ہین، آپ کو سن کر حیرت ہوگی، کہ کہان لاکھ دو لاکھ چار لاکھ کی باتیں تھیں، اور اب سنئے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہین ان کی تعداد لے دے کے بمشکل دو ہزار چھ سو دو ہے، اور امام مسلم کی حدیثون کی تعداد کل چار ہزار ہے لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین کہ مسلم مین بخاری کے سوا چار ہزار حدیثیں ہین، بلکہ زیادہ تر دونون

کی روایتیں مشترک ہیں، اور یہ تو ان دو بڑی کتابوں کی حدیثوں کا حال ہے، موطا امام مالک جسے بعض لوگ صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اس کی کل حدیثوں کی تعداد صرف چھ سو ستانوے ہے، بہرحال شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے، کہ صحیح حسن ضعیف ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں، ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے، اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے، تمام کتابوں سے چھان بین کر ابن جوزی نے نہیں، جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے، بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں، ان کا بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہونچ سکتی، اب حاکم کی اس رپورٹ کو اپنے سامنے رکھئے، اور اس کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان خطوط اور معاہدوں، امان ناموں جاگیر و قطائع وغیرہ کے فرامین کے سوا جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے، اور جن کی تعداد سینکڑوں[1] سے متجاوز ہے، اور حدیث کی جو تعریف ہے، ان پر وہ بھی صادق آتی ہے، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا، عہد نبوت و قرون صحابہ میں حدیث کا کتنا سرمایہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا، دنیا کو یہ سن کر حیرت ہوگی، لیکن کیا کیا جائے واقعہ یہی ہے، کہ دس ہزار ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہد نبوت و عہد صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں، آخر آپ خود جوڑ لیجئے، محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے، اور ایک ذریعہ سے نہیں مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی یادداشت کے لئے بھی اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آئے تھے، حافظ ابن عبدالبر نے جامع میں ان کی اس کتاب کے واقعہ کو اس طرح درج کیا ہے، کہ مشہور صحابی عمرو بن امیہ ضمری جن کو طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ نے عمرو عیار

[1] ہمارے فاضل عزیز دوست ڈاکٹر مولانا حمید اللہ صاحب ڈی فل ڈی لٹ پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ان کو

کے نام سے بہت مشہور کر دیا ہے، ان کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں،

تحدثت عند ابی هريرة بحديث	میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
فانكره فقلت انی قد سمعته	سامنے ایک حدیث بیان کی انھوں نے
منك فقال ان كنت سمعته	اس کا انکار کیا، میں نے عرض کیا کہ اس
منی فهو مكتوب عندی فاخذ	حدیث کو میں نے آپ ہی سے سنا ہے، تو
بيدی الی بيته فارانا كتبا كثيرة	بولے اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے
من حديث رسول الله صلی	تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی،
الله عليه وسلم فوجد	پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا، اور اپنے
ذلك الحديث فقال قد	کمرہ میں لے گئے، مجھے انھوں نے آنحضرت
اخبرتك انی كنت حدثتك	صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی
به فهو مكتوب عندی،	کتابیں دکھائیں، اسی (ذخیرہ) میں وہ
	حدیث بھی پائی گئی، حضرت ابوہریرہ رضی
	نے اس کے بعد فرمایا، میں نے تمھیں خبر
	دی تھی، کہ میں نے جو حدیث تم سے
	بیان کی تھی، وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے،

حافظ ابن حجر نے بھی دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے، اس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ کے پاس صرف چند حدیثیں لکھی تھیں، بلکہ جو کچھ وہ روایت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۲) ایک خاص فاضلانہ ترتیب کے ساتھ جمع بھی کر دیا ہے، اور اب ان کی یہ کتاب معرکۃ الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ڈاکٹر صاحب ممدوح کو عہد نبوی کے (۲۰۰) کتابی وثائق مل چکے ہیں،

کرتے تھے، کتابی شکل مین ان کے پاس وہ موجود تھی، جب یہ معلوم ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچہزار سے اوپر ہے، اس کے بعد اگر کہا جائے، کہ پانچہزار سے اوپر حدیثین اس وقت لکھی ہوئی تھین، توکیا اس روایت سے اس کی تصدیق نہین ہوتی، اور صرف ایک نسخہ نہین، دارمی جو حدیث کی مستند کتاب ہے، اور اس کا درجہ صحاح ستہ کی اکثر کتابون سے بلند ہے، اس مین ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی حدیثون کا تیار کرکے خود ان کو پڑھکر سنایا تھا روایت کے الفاظ یہ ہین :-

عن بشير بن نهيك قال كنت اكتب ما اسمع من ابى هريرة فلما اردت ان افارقه اتيته بكتابه فقرئته عليه وقلت له هذا ما سمعت منك قال نعم،

حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے، انھون نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیثین مین سنا کرتا تھا انھین لکھ لیا کرتا تھا جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا، تو ان کی حدیثون کی جو کتاب تھی، اسے لیکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، پھر ان حدیثون کو ان کے سامنے پڑھ گیا، اور آخر مین کہا کہ یہ وہ حدیثین ہین، جو آپ سے مین نے سنی ہین،

(دارمی [illegible])

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہین جو یمن کے امرا مین تھے ایک زمانہ تک ان کی خدمت مین رہے، اور ان کی حدیثون کو جمع کیا جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے، امام احمد بن حنبل نے اس کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی مسند مین داخل کر دیا ہے، گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسی زمانہ مین حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثون کے یہ تین نسخے تیار ہو چکے تھے، اور ان کا تو پتہ چلا ہے، ورنہ ابوہریرہؓ جن کے شاگردون کی تعداد، امام بخاری نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہو، کون کہہ سکتا ہے، کہ کتنون نے اس کام کو کیا ہوگا، خود حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے لئے جب نسخہ تیار کیا تھا، توکیا وجہ ہو سکتی تھی، کہ ان کے شاگرد ایسا نہ کرتے، اور اس سے بھی ہین اور آگے بڑھتا ہون، صحیح بخاری مین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بیان درج ہے، کہ وہ فرمایا کرتے تھے،

ما من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم احد اكثر حديثا عنه منى الا ما كان من عبد الله بن عمرو،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون مین حضور کی حدیثون کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہین ہے، البتہ عبد اللہ ابن عمرو بن العاص اس سے مستثنیٰ ہین، (یعنی ان کی حدیثون کی تعداد مجھ سے زیادہ ہے)

(صحیح بخاری ج ۱)

جس کے یہ معنی ہوے کہ عبد اللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد خود حضرت ابوہریرہؓ کے ذاتی اعتراف کی بنیاد پر ان کی حدیثون سے زیادہ تھی، جب ان کی حدیثین پانچہزار سے زائد ہین، تو اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے، کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایات کی تعداد پانچہزار تین سو چوہتر سے یقیناً زائد ہونی چاہیے، بخاری کے صریح الفاظ کا یہ تقاضا ہے: اب سنئے کہ عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیثون کا کیا حال ہے، بخاری کی اسی حدیث مین ابوہریرہؓ ہی کا یہ بیان درج ہے، کہ وہ لکھا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ کے متعلق تو صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین انھون نے اسے جمع کیا تھا یا وفات کے بعد لیکن عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص جن کی حدیثون کی تعداد حضرت ابوہریرہؓ ہی کے بیان کے مطابق ان کی حدیثون سے زیادہ اور کثیر ہے، ان کے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم سے وہ آپ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے، ان کا اپنا بیان ہے جس کا حافظ ابن عبد البر، ابن سعد اور ابوداؤد وغیرہ سب نے ذکر کیا ہے، میں حافظ ابن عبد البر کی روایت درج کرتا ہوں، خود حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں،

قلت یا رسول اللہ اکتب کل ما اسمع منک؟ قال نعم قلت فی الرضاء والغضب؟ قال نعم فانی لا اقول فی ذلک کلہ الا حقا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں، حضورؐ نے فرمایا، ہاں، میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا ہاں، کیونکہ ان سب حالات میں میں نہیں کہتا، لیکن صرف "حق"

اس روایت میں اکتب کل ما اسمع وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں قابلِ غور ہے جس کے یہی معنی ہیں، کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات خواہ رضا یا غضب کے حال کی ہو، لکھ لیا کرتے تھے، محدثین میں ان کی یہ کتاب "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے، وہ خود بھی اپنی اس کتاب کو اسی نام سے یاد کرتے تھے،

ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے، لیکن صرف اسی حد تک میں ٹھہر جاؤں تو گذشتہ بالا وثائق کے بنیاد پر کہہ سکتا ہوں، کہ اول درجہ کی صحیح روایتوں کی جو تعداد حاکم نے بیان کی ہے یعنی انھوں نے یہ نہیں لکھا ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار ہے، بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں،

الاحادیث التی فی الدرجۃ الاولی لا تبلغ عشرۃ آلاف (توجیہ النظر ص ۹۳)

اعلیٰ درجہ کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہونچ پاتی،

جس کا یہی مطلب ہوا کہ دس ہزار سے کم ہی ہیں، اور معلوم ہو چکا کہ عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو مجموعہ جمع ہوا، اس کی روایتوں کو پانچہزار تین سو چوہتر سے تو یقیناً زیادہ ہونا چاہئے، اور ایسے موقع پر ہمیں اس کا بھی خیال کرنا چاہئے کہ عام محاوروں میں "اکثر" کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے محض ریاضیاتی زیادتی مراد نہیں ہوتی، یعنی صرف دو تین عدد کی زیادتی کبھی مقصود نہیں ہو سکتی، بلکہ اکثریت معقول تعداد کی زیادتی کو چاہتی ہے، گویا حاکم نے صحیح حدیثوں کی جو تعداد بیان کی ہے، قریب قریب یہ باور کرنا چاہئے، کہ عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اتنی مقدار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ قلم بند کر چکے تھے، اور ان کے لکھنے پڑھنے کا جو حال تھا، اس کے حساب سے ان کے لئے یہ کام کچھ دشوار بھی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جب شام و مصر میں ان کو عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی کتابیں ملیں تو ان سے منتخب کر کے انھوں نے ایک بڑا دفتر تیار کیا تھا، اور اس کا نام انھوں نے صحیفہ یرموکیہ رکھا تھا، کسی موقع پر ان کی اس کتاب کا ذکر آئے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ تالیف و تصنیف سے انھیں فطری لگاؤ تھا، بہر حال پھر بھی ابھی تک میرے نتیجہ کی حیثیت فی الجملہ قیاسی نتیجہ کی ہے، لیکن اب آگے سنئے جن صحابیوں کا شمار ان لوگوں میں ہے جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں، انکی فہرست میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور صحابہ میں معمر ترین بزرگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، ان کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ہے، دارمی میں ان سے یہ روایت منقول ہے کہ اپنی اولاد سے جنکی ایک بڑی تعداد تھی، فرمایا کرتے، :-

یا بنی قیدوا ھذا العلم:

میرے بچو! اس علم (حدیث) کو قلمبند کر لیا کرو۔

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حدیثون کا مجموعہ یقیناً لکھا جا چکا ہوگا، صرف اسی قدر نہیں دارمی ہی مین منقول ہے کہ

رأیت ابان یکتب عند انس، | مین نے ابان کو دیکھا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہین،

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز روایت مستدرک مین سعید بن ہلال کا بیان ہے :-

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخرج الینا محالاً عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا و عرضتھا علیہ، (مستدرک حاکم)

ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ لگاتے، تو وہ اپنے پاس سے ایک چونگہ نکالتے، اور فرماتے، یہ ہین وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مین نے سُنی ہین، اور ان کو لکھا، لکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کرچکا ہون،

تھوڑے ردوبدل سے یہ الفاظ حدیث کی دوسری کتابون مین بھی پائے جاتے ہین اگر یہ روایت صحیح ہے، اور حضرت انسؓ کے متعلق کتابت حدیث کی جن دلچسپیون کا تذکرہ دارمی سے مین نے پہلے نقل کیا ہے، ان کو دیکھتے ہوئے صحت مین شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو عہد نبوت مین علاوہ صادقہ کے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثون کے قلم بند ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرکے انھون نے ان روایتون کی توثیق بھی کرالی تھی، کیا اب بھی صحیح حدیثون کی جو تعداد ہے، عہدِ صحابہ مین بلکہ عہد نبوت، ہی مین ان کے قلم بند ہوجانے پر کوئی شک کرسکتا ہے؟ مگر یہ داستان اسی پر ختم نہیں

ہوجاتی ہے، حضرت انسؓ ہی کی طرح دوسرے مکثر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہین، ان کی تعداد جیسا کہ ابن جوزی نے تلقیح مین لکھا ہے، ایکہزار پانسو چھ ہے، یہ تو پہلے گذر چکا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد نبوی مین درس کا ایک حلقہ تھا، اب ان کی روایتون کے بھی قلمبند ہونے کا حال سنئے،

صحیح مسلم مین ان کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ حج کے متعلق انھون نے ایک کتاب جمع کی تھی، اور حافظ ابن حجر نے تہذیب مین یہ روایت نقل کی ہے، کہ ان کے شاگرد وہب بن منبہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہمام (جن کے صحیفہ ہمام کا ذکر گذر چکا) کے بھائی تھے، اپنے استاذ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے وہ براہ راست حدیث روایت کرتے ہین، انھون نے بھی انکی حدیثون کو قلمبند کیا تھا، اسی طرح سلمان بن قیس یشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی حدیثون کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، اور بڑے بڑے بزرگون مثلاً شعبی، سفیان وغیرہ نے قیس سے اس کو سنا بھی تھا، خود استاذ نے کتاب لکھی تھی، تو شاگرد اوسکی اتباع کیون نہ کرتے،

عورتون مین سب سے بڑی تعداد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثون کی ہے، محدثین نے ان کی حدیثون کی تعداد دو ہزار دس بتائی ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تو ثابت نہیں، کہ انھون نے اپنی حدیث جمع کی تھی، اگرچہ ان کے علم و فضل کا یہ حال تھا، کہ فرائض جن کے مسائل کا حل بغیر حسابی قاعدون کے ناممکن ہے، آسانی حل فرماتی تھین، بڑے بڑے صحابہ ان سے فرائض کے پیچیدہ مسائل پوچھوا بھیجتے تھے، ایک ایک دفعہ مین کسی شاعر کے قصیدہ کے ساٹھ ساٹھ بلکہ سوسو شعر برجستہ سنادیتی تھین، حدیث کی اشاعت کا شوق ان کا بے نظیر ہے، مگر خود انکی حدیثون کے جمع کرنے کا حال معلوم نہیں ہوا، لیکن ان کے

براہ راست شاگرد، اور حقیقی بہن کے لڑکے عروہ بن زبیرؓ جن کا شمار ان لوگون مین ہے، جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایتون کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ان کے متعلق عام طور سے مشہور ہے کہ شروع مین انھون نے بھی اپنے علم کو ایک کتاب مین قلبند کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس مین حضرت عائشہؓ کی حدیثون کا ہونا بھی ضرور ہے، کہ سب سے بڑا سرمایہ ان کا یہی تھا، لیکن افسوس ہے کہ واقعہ حرہ جس مین مدینہ لوٹا اور برباد کیا گیا تھا، غلط فہمی کی وجہ سے انھون نے قصداً اپنی کتاب ضائع کردی، بعد کو پچھتاتے تھے، اور کہتے تھے، :-

لوددت انی کنت فدیتھا	میری تمنا ہے کہ اپنے اہل وعیال
باھلی ومالی،	اور اپنے مال کو اس کتاب پر فدا
(تہذیب ۱۸۳ ج ۷)	کر دیتا،

بہرحال اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ ہی مین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مجموعہ بھی جمع ہو گیا تھا، اگرچہ عروہ کی راہ سے یہ مجموعہ ضائع ہو گیا، لیکن حضرت عائشہؓ کی دوسری مشہور خاتون شاگرد، جن کا نام عمرہ بنت عبد الرحمن ہے، جنھون نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود مین پرورش پائی تھی، اور حدیث عائشہ کے باب مین ان کا شمار عروہ کے برابر برابر تھا، انہی عمرہ بنت عبد الرحمن کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مشہور فرمان کی بنا پر جس کا ذکر بخاری وغیرہ مین بھی ہے، جمع کر لیا تھا، حافظ ابن حجر لکھتے ہین کہ ابو بکر کے نام حضرت کا فرمان آیا تھا، :-

ان یکتب لہ من العلم من	عمرہ بنت عبد الرحمن اور قاسم بن محمد کے
عند عمرۃ بنت عبد الرحمن	علم (حدیثون) کو وہ ان کے لئے لکھکر
والقاسم بن محمد،	تیار کرین،

اور قاسم کے پاس بھی وہی حضرت صدیقہؓ ہی کی حدیثون کا زیادہ سرمایہ تھا، کہ آپ کے والد محمد بن ابی بکر ان کے ایام طفلی ہی مین مشہور فتنہ مین شہید ہو چکے تھے، اس لئے یتیم بھتیجے کی پرورش حضرت عائشہؓ ہی نے فرمائی، ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، سب کچھ انہی سے سیکھا تھا، بہرحال حضرت عائشہؓ کی حدیثین انہی دونون کے ذریعہ سے ابو بکر بن محمد نے جمع کین، اور حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ نے ان کی نقلین تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہرون مین بھیجین جس کے معنی یہ ہوئے، کہ گو حضرت عروہ کی کتاب جل گئی، لیکن عمرہ بنت عبد الرحمن کی راہ سے حضرت عائشہؓ کا جو علم قلم بند ہوا تھا، وہ باقی رہا،

مکثرین (یعنی جن کی حدیثون کی تعداد ہزار سے اوپر ہے) ان مین اکثرون کے حدیثی سرمایہ کے متعلق عہد نبوت وصحابہ ہی مین قلم بند ہونے کا حال معلوم ہو چکا، اب صرف دو مین اور رہ گئے ہین، جن مین سب سے زیادہ نمبر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتون کا ہے، یعنی دو ہزار چھ سو ساٹھ حدیثین ان کی طرف منسوب ہین، پہلے تو خود ان کے متعلق ابن سعد مین ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع سے یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے لکھا کرتے تھے، ان کے مشہور آزاد کردہ غلام عکرمہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل مین یہ روایت نقل کی ہے، :-

ان نفرا قدموا علی ابن عباس	حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف
من اھل الطائف بکتب من	کے کچھ لوگ ان کی کتابون کو لے کر
کتبہ فجعل یقرء علیھم	حاضر ہوئے، اور ان کے سامنے ان کی
	کتابین پڑھنے لگے،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی مین ان کی حدیثون کا مجموعہ قلم بند ہو چکا تھا

لفظ "کتب" جو جمع کا صیغہ ہے، قابلِ غور ہے، ایک کتاب نہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے چند کتابین تیار کی تھین، اور ان کے متعلق تو صحیح مسلم تک مین یہ روایت موجود ہے، کہ حضرت علیؓ کے فیصلون اور فتاوی کا ایک بڑا حصہ لکھا ہوا ان کے پاس لایا گیا، ابن سعد ہی مین روایت یہ بھی ہے کہ ابن عباسؓ کی وفات کے بعد جو علم انھون نے چھوڑا وہ ایک بارشتر تھا، کوئی وجہ نہین ہوسکتی، کہ اس "بارشتر" کے کتابی مجموعہ مین ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیثون کا ذخیرہ نہ تھا، خود ابن عباسؓ کے ممتاز ترین رشید شاگرد سعید بن جبیر سے دارمی، طبقات ابن سعد وغیرہ مین یہ بیان منقول ہے، کہ وہ ان کی حدیثون کو لکھا کرتے تھے، کاغذ ختم ہو جاتا تو جو چیز ملتی حتی کہ ہاتھ تک پر لکھ لیتے، بعد کو گھر جاکر کاغذ پر اُتارتے، سعید بن جبیر جو ان کے علم کے سب سے بڑے راوی ہین، جب وہ لکھا کرتے تھے، تو اس کے بھی یہی معنی ہین، کہ ابن عباسؓ کی شاید ہی کوئی حدیث لکھنے سے رہ گئی ہو،

ان کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیثون کا نمبر ہے، ان کی حدیثون کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے، اب تک مجھے کوئی تحریری ثبوت اس کا تو نہین ملا، کہ خود ابن عمرؓ نے اپنی حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، لیکن دارمی ہی کی روایت ہے، بلکہ طبقات ابن سعد مین بھی یہ روایت موجود ہو کہ سلیمان بن موسی کا یہ بیان ہے، :-

انه رای نافعا مولی ابن	کہ ابن عمر کے مولی نافع کو دیکھا کہ
عمر علی علمه و یکتب بین	لوگ ان کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہے
یدیه،	تھے،

نافع کے متعلق سب جانتے ہین کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کے چہیتے آزاد کردہ غلام تھے، تیس سال تک ان کی خدمت مین رہے، امام مالک کی انھی روایتوں کو جو نافع ابن عمرؓ کے ذریعہ

سے وہ روایت کرتے ہین بعض لوگ سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) قرار دیتے ہین، اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن عمرؓ کا علم خود ان کے براہ راست شاگرد کے ذریعہ سے یقیناً قلم بند ہوچکا تھا، اور واقعہ یہ ہے، کہ ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کے زمانہ تک بنی امیہ کی حکومت قائم ہوچکی تھی جس مین تصنیف و تالیف بلکہ ترجمہ تک کا چرچا مسلمانون میں عام طور پر ہوچکا تھا، ان بزرگون کی حدیثون کا قلمبند ہونا البتہ محلِ تعجب ہے، پھر جب دلائل موجود ہین، تو انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے،

اور یہ حال تو ان بزرگون کی حدیثون کا ہے، جو مکثرین کے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہین، ان کے سوا دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کا شمار اس طبقہ مین نہین ہے، ان مین ایک نہین متعدد صحابیون کے متعلق ثابت ہے کہ صرف ایک دو حدیث نہیں، بلکہ ان کے اچھے خاصے مجموعے لکھے ہوئے موجود تھے، جن مین بعض تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے تھے، مثلاً وائل بن حجرؓ صحابی جو حضر موت کے شاہزادون مین تھے، مدینہ آکر مسلمان ہوئے اور کچھ دن قیام فرما کر جب واپس جانے لگے تو طبرانی صغیر میں مروی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا، جس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے احکام تھے،

دوسری طویل چیز جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی لکھوائی ہوئی ہے، اس کا تو ذکر بخاری تک مین ہے، آپ میں کون نہیں جانتا کہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا اس مین ہر فقرہ بجائے خود اسلام کا ایک اصول تھا، اور اچھا خاصہ طویل ہے، ابوشاہ یمنی صحابی کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ان کو خود لکھوا کر دیا، بخاری کی روایت سے شاید شبہہ ہوسکتا ہے، کہ پورے خطبہ کی نقل کا شاید حکم نہیں دیا گیا، امام اوزاعی جو سیر کے امام ہین ان سے یہ پوچھا گیا کہ کیا پورا خطبہ لکھوایا گیا تھا، بولے ہان!

هذه الخطبة التي سمعها من النبي	یعنی وہی خطبہ جسے انھون نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم، (عینی نمبر ۲، ۵ ج) — صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، لکھوا کر دیا گیا)

دارمی ہی کی ایک اور روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن والون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کے احکام ایک رسالہ کی شکل مین لکھوا کر بھیجے تھے، دارمی کے الفاظ یہ ہین :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والون کو
کتب الی الیمن ان لا یمس القرآن — یہ لکھوا کر بھیجا، کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی
الا طاھر ولا طلاق قبل املاک — نہ چھوئے، اور قبل مالک ہونے (یعنی نکاح کے)
ولا عتاق حتی یبتاع، — طلاق نہین ہے، اور جب تک غلام خریدا
(صفحہ ۲۹۳) — نہ جائے، اوس کے آزاد کرنے کے کوئی معنی نہین

اس کتاب مین جب اتنے تفصیلی مسائل تھے، تو اسلام کے عام فرائض و واجبات کا ہونا تو زیادہ اغلب ہے، اسی طرح کنز العمال مین ایک روایت ہے کہ عمرو بن حزم کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر بھی لکھوا کر ان کے حوالہ فرمائی گئی جس میں فرائض، صدقات، دیات (یعنی قتل کے خون بہا کا قانون) وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتین تھین، اسی طرح حافظ ابن حجر نے تہذیب مین حضرت سمرہ بن جندب رضؓ مشہور صحابی کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کے متعلق لکھا ہے، کہ

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ — اپنے والد سے وہ ایک بڑا نسخہ روایت
(تہذیب صفحہ ۱۹۰ جلد ۴) — کیا کرتے تھے،

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سمرہؓ کی حدیثین بھی جمع ہو چکی تھین، خصوصاً "کبیرۃ" کے لفظ سے اس کی زیادہ تائید ہوتی ہے، ورنہ چند حدیثون کے متعلق ظاہر ہے کہ نسخہ کبیرۃ کا اطلاق صحیح نہین ہو سکتا، ترمذی نے کتاب الاحکام مین ایک روایت "باب الیمین مع الشاہد" کے سلسلہ مین جو درج کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ خزرج کے مشہور سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادے بعض روایتین بیان کیا کرتے تھے، اور اس مین کوئی تعجب بھی نہین ہے، اس لئے کہ قبل الاسلام کتابت یعنی لکھنے مین جن لوگون کو مہارت حاصل تھی، ان مین ایک حضرت سعد بن عبادہؓ بھی تھے، بخاری کی ایک روایت سے جو "کتاب الجہاد باب الصبر علی القتال" مین مروی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی حدیث لکھا کرتے تھے، اسی طرح بخاری، ترمذی اور صحاح کی دوسری کتابون مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک صحیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے، جسے وہ اپنی تلوار کے نیام مین رکھا کرتے تھے، روایتون سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس صحیفہ مین "شریعت" کے بعض اہم مسائل تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان فرمائے تھے، تلاش اور تتبع سے اگر اور کام لیا جائے، تو اس قسم کے کتابی ذخیرون مین اور اضافہ ہو سکتا ہے، لیکن بالفعل اپنے بیان کی پہلی قسط کو اسی پر ختم کرتا ہون، اور مقالہ کے دوسرے مباحث کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ قسطون مین کیا جائے گا، جس میں سب سے پہلے یہ بیان کیا جائیگا کہ جب حدیث کے کتابی ذخیرہ کا اتنا بڑا سرمایہ عہد نبوت و صحابہ مین جمع ہو چکا تھا، اور حدیث کی عام کتابون مین اس کا ذکر موجود تھا، پھر باوجود اس کے لوگون کو یہ مغالطہ کس بنیاد پر ہوا کہ سب سے پہلے حدیث کی کتابی تدوین ابن شہاب زہری نے پہلے صدی کے اختتام مین عمر ابن عبد العزیز خلیفہ کے فرمان سے شروع کی ؟ اس مغالطہ کے ازالہ کے بعد جن حقائق کا انکشاف ہوگا، اون کے نتائج پر بحث کرنے کے بعد "تدوین حدیث" کے دوسرے مباحث کا تذکرہ کیا جائے گا،

وَمَا توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب،

سیرۃ محمد بن عبدالوہاب نجدی

۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ

از

مولانا مسعود عالم ندوی کٹیلاگر، اورینٹل لائبریری پٹنہ

(۲)

عُیینہ میں: ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء

دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلیں طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ اس افراتفری میں کہ ہر ناحیہ[۱] کا حاکم الگ ہے، کامیابی دشوار ہے، خود حُریملا میں دو خاندان (قبیلہ) سرداری کے لئے دست بگریبان تھے[۲]،

ان حالات میں کوئی موثر قدم اٹھانا مشکل تھا، انھوں نے پورے نجد کو ایک امیر اور ایک

۱؎ عثمانی حکومت کے دور میں انتظامی آسانی کے خیال سے ملک کی تقسیم ان چار حصّوں میں کیجاتی تھی، ولایۃ (صوبہ) لِوار (کمشنری) قضا، (ضلع) ناحیہ (تحصیل یا سب ڈویژن) عارض کا شمار ناحیہ میں تھا، آلوسی نے ناحیۃ العارض ہی لکھا ہے، (صوبہ اور ضلع کی دیسی اصطلاحیں ہم نے مقابلہ کے لئے دیدی ہیں)

۲؎ عنوان المجد (ص ۹) میں بعض غلاموں کی شرارت کا ذکر ہے جو شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، دوسری کتابوں میں جہاں کہیں بھی اس کا ذکر ہے، غالبًا ماخذ یہی ہے،

جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کا ارادہ کرلیا، وہ سمجھتے تھے، کہ کسی امیر (حاکم صاحب نفوذ و قوت) کی ہمدردی حاصل کئے بغیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہین، ان خیالات کے پیش نظر انھون نے عثمان بن حمد بن معمر امیر عُیینہ سے خط و کتابت کی، (الزہراء: رجب ۱۳۴۵ھ) اور امیر کو قبول حق پر آمادہ پاکر خود بھی عُیینہ منتقل ہوگئے، امیر نے اچھی طرح آؤ بھگت کی، اور شیخ کو سر آنکھون پر بٹھایا، جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے شیخ کی شادی ہوئی جس سے ظاہری طور پر تعلقات زیادہ مستحکم ہوگئے، شیخ کے سامنے ایک متعین مقصد تھا، ذاتی اور خاندانی تعلقات حصول مقصد کا ذریعہ ہو سکتے تھے، خود مقصد نہیں تھے، انھون نے امیر عُیینہ کے سامنے دعوت پیش کی توحید کا مفہوم واضح کیا، اور اس جلیل القدر مہم مین امداد و تعاون کی درخواست کی، شیخ کے یہ الفاظ یادگار اور قابلِ نقل ہین، (عنوان ص ۹)

انی ارجو ان انت قمت بنصر	اگر تم لا الہ الا اللہ کی امداد کو آمادہ ہو جاؤ
لا الٰہ الا اللہ ان یظہرک اللہ	تو مین امید کرتا ہون کہ اللہ تعالیٰ تمھیں غالب
تعالیٰ وتملک نجدا واعرابھا	کرے گا، اور نجد و اہلِ نجد کی باگ تمھارے
	ہاتھون مین ہوگی،

عثمان کو یہ پیشکش صدق دل سے کی گئی تھی، پر افسوس کہ وہ اُس پر قائم نہ رہا، جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا، اور آخر یہ نعمت عیینہ سے درعیہ کو منتقل ہوگئی، بہرحال عثمان بن حمد بن معمر نے امداد کا وعدہ کیا، اور اُس کی معاونت کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کھلم کھلا دعوت دینا شروع کی، اور رفتہ رفتہ اہلِ عیینہ کے دل قبول حق کی طرف مائل ہونے لگے،

شیخ نے اس اثنا مین بدعات کے بعض اڈون کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، جس مین انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی، اس علاقہ مین بعض درختون کی توقیر کی جاتی تھی، انھین بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا

زید بن خطاب (جو یوم یمامہ مین شہید ہوئے تھے)، کے نام سے مقام جبیلہ مین ایک قبر تھی، اور اُس پر
قبہ، اس کا بھی خاتمہ کیا، جو اس وقت کے لحاظ سے کوئی آسان کام نہیں تھا، ابن بشر (صفحہ ۹) اس
قبہ کے انہدام کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے،

"شیخ نے عثمان سے کہا، آؤ، اب اس قبہ کو منہدم کر دین جس کی بنیاد باطل پر رکھی گئی ہے،
اور جس کی وجہ سے لوگ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہین، عثمان نے کہا: آپ ہی اسے ہدم
کر دین، شیخ نے فرمایا کہ ہمین اہل جبیلہ سے خطرہ ہے، کہین وہ ہمارے درپے آزار نہ ہو جائین،
آپ کی موجودگی کے بغیر ہم ہدم نہیں کر سکتا، اس پر عثمان چھ سو آدمیون کے ساتھ چلا،
قریب پہونچنے پر اہل جبیلہ نے بزور روکنے کا ارادہ کیا، لیکن جب انھون نے عثمان کی
طرف سے بھی پوری تیاری دیکھی تو ہٹ گئے، ابن بشر کا بیان ہے، کہ عثمان نے شیخ سے
کہا کہ ہم قبہ کو چھو نہین سکتے، اس پر شیخ نے ہتھوڑا (فاس) لیا، اور اپنے ہاتھ سے قبہ کو گرا کر
زمین کے برابر کر دیا، اور کامیاب واپسی ہوئی، اُس رات کو اطراف و نواح کے جاہل
بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، کہ دیکھین اس ناروا اقدام کے بدولت شیخ پر کیا
مصیبت آتی ہے، لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے، جب صبح ہوئی تو لوگ بہت مایوس
ہوئے، اور اہل حق کی ہمت بندھی، نیز کمزورون کے ایمان مین تازگی آئی"۔

یہ صرف ایک واقعہ کی تفصیل تھی، وہان قدم قدم پر یہی دشواریان تھین، جاہلون سے لیکر
علما، اور مشائخ تک سب کے سب بدعات کی تاریکیون مین گھرے ہوئے تھے، یہ ابن عبد الوہاب
کی آواز اور کوشش تھی جس نے صدیوں کے بعد پہلے پہل حق کا بول بالا کیا، اور صحیح اسلامی تعلیم سے خلق خدا
روشناس ہوئی،

شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو نماز باجماعت کے احیار کی بھی تاکید کی، اور تخلفین کے لئے

سزائین تجویز ہوئین حکام طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے، شیخ نے تمام ٹیکس اڑا دیے، اور
صرف زکوٰۃ کا اجرا کیا، شیخ نے قیام عینیہ کے دوران مین ابن معمر کے ہاتھ سے یہ دو کام اچھے کرائے، لیکن
ان کے دشمن اس مین بھی حرف نکالتے تھے، (روضۃ الافکار)

شیخ نے عینیہ ہی مین اپنے تبلیغی رسالون کا سلسلہ شروع کیا، جو مرتے وقت تک جاری رہا،
درعیہ مین ان کے ماننے والے کچھ پیدا ہو گئے تھے، انہی کے نام آپنے عینیہ سے ہدایت نامے جاری کئے
تھے، (روضۃ الافکار جلد ۱ صفحہ ۲۰)

عینیہ سے اخراج عینیہ مین کامیابی قدم لینے کو تھی، اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جا رہی تھی، کہ قدرت نے ایک
شر پیدا کیا، جس مین ہزارون برکتین پنہان تھین،

"ہونے والی بات، ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی، اور اوس نے شیخ کے سامنے
گناہ کا اعتراف بھی کر لیا، بار بار جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری، مجبوراً شیخ نے
سنگساری کا حکم دیا، عثمان بن معمر نے مسلمانون کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا،
سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا، وہ عثمان تھا[1]

اس "غیر متوقع حادثہ" نے اطراف و جوانب مین تہلکہ پیدا کر دیا، خصوصیت کیساتھ اُن حلقون
مین جو برائیون کے خوگر تھے، اور زیادہ کھلبلی مچی، بات لگانے والے سلیمان بن محمد غریر الحمیدی (حاکم احسا
و قطیف) کے دربار مین پہونچے، اور اسے شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا، یہ شخص نہایت رنگیلا اور آوارہ
مزاج تھا، رجم کے واقعہ سے اس کا برہم ہونا بالکل متوقع تھا، کہنے والون نے اس سے کہا کہ یہ شخص
(ابن عبد الوہاب) تمھاری آزادیون کی راہ مین رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے، بات لگتی ہوئی تھی، اُسکے

[1] روضۃ الافکار جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ عنوان المجد جلد ۱ صفحہ ۱: فلبی نے بھی ابن غنام کے بیان کا ٹھیک ٹھیک
ترجمہ کیا ہے، (ARABIA صفحہ ۱۱)

دل مین جم گئی، اس نے فوراً عثمان بن معمر امیر عُیینہ کو تہدید آمیز انداز مین لکھا:

"یہ مطوع[1] جو تمھارے ہان مقیم ہے، اوس نے ایسے ایسے .... کام کئے ہین، اُسے قتل کرو، ورنہ تمھین ہمارے ہان سے جو کچھ ملتا ہے، وہ سب روک دیا جائے گا۔"[2]

چونکہ وہ رقم کافی تھی یعنی مال و متاع کے علاوہ بارہ سو[3] دینار سالانہ، اس وجہ سے وہ ایسا متردد ہوا کہ دنیا کی طمع توحید کی حمایت پر غالب آنے لگی، ابھی اس کا سینہ دعوتِ توحید کا محرم نہین بنا تھا، نہ اُسے یہ معلوم تھا، کہ حق کا ساتھ دینے والون پر غیب سے کیا کیا انعامات ہوتے ہین، ؟ اسی حیص بیص مین اُس نے شیخ کو سلیمان حاکم احسار کے پیام کی اطلاع دی، شیخ نے اُسے تسلی دینی چاہی، اُور پورے یقین کے ساتھ اُسے سمجھانے کی کوشش کی، ابن بشر (ص۱۰) کی زبانی شیخ کے یہ الفاظ سننے کے لائق ہین:-

اِنّ ھذا الذی انا قمت بہٖ و	مین جو اس چیز کو لیکر کھڑا ہوا ہون، اور
دعوتُ الیہ کلمۃ لا الٰہ	اسکی دعوت دی ہے، وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ

---

۱ اہلِ نجد کی زبان مین مولوی اور فقیہ کو مطوع کہتے ہین، جمع مطاوعہ استعمال ہوتی ہے، موحدین کی نئی منظم برادری اخوان مین بھی مبلغون کی جماعت مطاوعہ کہلاتی ہے،

۲ سلیمان الحمیدی نے جن الفاظ مین عثمان کو دھمکی دی ہے (فان لم تفعل قطعنا خراجک الذی عندنا فی الاحساء) ان سے صاف پتہ نہین چلتا کہ یہ افسر کی طرف سے تہدید ہے، یا ماتحت کی طرف سے بغاوت کی دھمکی، فلبی (ص۱۱) کی رائے مین سلیمان عیینہ کی امارت کا متبوع اور سردار (Suzerain) معلوم ہوتا ہے، بعد کی تفصیل مین بھی بار بار امرنا سلیمان آیا ہے، اس سے بھی فلبی کی رائے کی تائید ہوتی ہے،

۳ اسلم صاحب نے (تاریخ نجد ص۳۵) بارہ ہزار دینار لکھا ہے، جو غالباً صحیح نہیں، اصل ماخذ عنوان المجد لابن بشر النجدی (ص۱۰) مین صاف اثنا عشر مائۃ احمر ہے،

الا اللہ وارکان الاسلام والامر	ارکانِ اسلام اور امر بالمعروف اور نہی
بالمعروف والنھی عن المنکر فان	عن المنکر کی دعوت ہے، اگر تم اس کو
انت تمسکت بہ ونصرتہ فان	مضبوط پکڑ لو، اور اس کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ
اللہ سبحانہ یظھرک علی اعدائک	تمھین تمھارے دشمنون پر غالب کرے گا،
فلا یزعجک سلیمان ولا یفزعک	سلیمان کی وجہ سے تمھیں پریشان ہونے اور
.... الخ	گھبرانے کی ضرورت نہیں،

شیخ نے ہر طرح کوشش کی، پر جب زوالِ دنیا کا خوف قلب پر طاری ہو جائے، تو پھر کوئی نمایش کام نہین کرتی، شیخ کی موثر اور پر امید نصیحت سے پہلی مرتبہ تو وہ رک گیا، لیکن پھر اس سے نہ رہا گیا، اور شیخ کے پاس دوبارہ کہلا بھیجا:

"سلیمان نے ہمین آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، اور ہم مین اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہین اور نہ یہ ہماری مروّت ہو گی، کہ آپ کو اپنے گھر مین تہ تیغ کرین، اس لئے آپ آزاد ہین، ہمارا علاقہ چھوڑ دین۔" (عنوان ص۱۱)

یہ پیام دیا، اور اپنے ایک سپاہی فرید الظفیری کی ہمراہی مین عُیینہ کے حدود سے باہر کر دیا، اس "اخراج" کی داستان بھی عبرت انگیز اور پر درد ہے، "ریگستان عرب کی سخت دھوپ، شیخ آگے آگے پیادہ پا، ہاتھ مین صرف ایک پنکھا، اور پیچھے پیچھے فرید گھوڑے پر سوار" ابن بشر نے تو یہان تک لکھا ہے، کہ ابن معمر نے در پردہ شیخ کے قتل کا بھی حکم دیدیا تھا، شیخ آگے آگے مَن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب کا ورد کرتے ہوئے چلے جاتے تھے، سپاہی نے راستہ مین بات نہیں کی، جب اوس نے قتل کا ارادہ کیا، تو خود اس کے بیان کے مطابق کسی غیبی طاقت نے اس کا ہاتھ روک لیا، اور اس پر رعب طاری ہو گیا، اور اسی عالم مین وہ الٹے پاؤن عیینہ

کی طرف واپس ہو گیا، صداقت کا اُس پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سچ مچ اُسے اپنی جان خطرہ مین نظر آنے لگی، (عنوان ص۱۱)

درعیہ مین ۱۱۵۸ھ

ابن معمر کے حدود سے نکل کر شیخ نے درعیہ کا رُخ کیا، اور عصر کے وقت وہان پہونچے، پہلے وہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن سویلم العرینی کے گھر اترے، اور پھر اپنے ایک شاگرد احمد بن سویلم کے ہان منتقل ہو گئے، خبر پاتے ہی امیر درعیہ محمد بن سعود اپنے بھائیون، مشاری اور ثنیان کے ساتھ خدمت مین حاضر ہوا، اور سب نے مل کر شیخ کو معاونت و فرمانبرداری کا یقین دلایا،

(روضۃ الافکار جلد ۲ صفحہ)

یہ مختصر روداد ابن غنام سے منقول ہے، فلبی نے بھی اسی پر اکتفا کیا ہے، (ص۱۲) ابن بشر نے اس اہم واقعہ کو جسے شیخ کی تبلیغی زندگی مین خاص اہمیت حاصل ہے، ذرا تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے، محب الدین خطیب نے الزہراء (رجب ۱۳۴۵ھ) مین اسی پر اعتماد کیا ہے، ابن غنام کے بعد ہم ابن بشر کی روایت بھی ذیل مین درج کرتے ہین،

"شیخ درعیہ عصر کے وقت پہونچے، جہان وہ ایک خوش بخت انسان محمد بن سویلم العرینی (الزہراء: عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن سویلم العرینی) کے گھر اترے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا، پر امیر کے خوف سے اسکے اوسان خطا ہو رہے تھے، شیخ نے نصیحت کی اور تسکین دی سیجعل اللہ لنا ولک فرجا ومخرجا"

امیر محمد بن سعود کی معاونت

ابن سویلم کے گھر ٹھہرے، تو وہ دعوت توحید کا مرکز بن گیا، لوگ چھپ چھپ کر آنے لگے اہل علم خاص طور پر مستفید ہوتے، لیکن یہ صورت قابل اطمینان نہ تھی، شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہی اور امیر کے بھائیون مشاری اور ثنیان سے گفتگو کی، انھون نے پہلے امیر کی بیوی موضی بنت ابی وحطان سے جو نہایت ذی فہم اور متدین خاتون تھی، شیخ کے

علم وفضل کی تعریف کی، اور اسے امیر سے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کیا، قدرت کو یونہی کرنا تھا، موضی کے دل پر خود بخود شیخ کے علم وفضل کا سکہ جم گیا، اس نے امیر سے عرض کی:

"اللہ نے یہ نعمت تمھارے ہان بھیج دی ہے، اٹھو اور اسکی مدد کرو، تمھاری دنیا اور آخرت دونون سنور جائے گی"۔

امیر محمد بن سعود جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسن اخلاق مین مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا، اور اس کے دل مین شیخ کی محبت گھر کر گئی، سب کے اصرار سے اوس نے ملنے مین بھی خود پہل کی، اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی، شیخ نے جواب مین اپنی دعوت کے اہم حصون (کلمۂ لا الہ الا اللہ کا مفہوم امر بالمعروف نہی عن المنکر جہاد) پر مختصر سی تقریر کی، اور اہل نجد کی برائیون سے آگاہ کیا، اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی،

امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا:

"اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہے، مین آپ کی امداد و اطاعت اور مخالفین توحید سے جہاد کے لئے تیار ہون لیکن میری دو شرطین ہین:

۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی، اور اللہ نے ہمین فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑین"

۲۔ اہل درعیہ سے فصل کے وقت مین کچھ مقررہ محصول لیتا ہون، آپ مجھے اس سے نہ روکین"۔

شیخ نے جواب دیا:

پہلی شرط بسر وچشم منظور ہے، ہاتھ لاؤ، الدم بالدم والھدم بالھدم (میرا خون تمھارا خون اور میری تباہی تمھاری تباہی) رہی دوسری شرط، سو انشاء اللہ تمھین فتوحات اور غنیمتون مین اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل مین

نہیں آئے گا،

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا، کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی، یہ ۱۱۵۷ھ یا ۱۱۵۸ھ کا ذکر ہے، امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان و اعمال کے لئے آنے لگے، عُیینہ کے پرانے فیض یافتہ اور ہم نشین جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر کر چکی تھی، درعیہ آگئے، ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر میں عُیینہ کے بعض عزیز بھی تھے،

ارادتمندوں کا پہلا گروہ

یوں تو عُیینہ ہی کے دوران قیام میں شیخ کی طرف لوگ کھینچنے لگے تھے، لیکن ایک عرصہ تک بدعات اور تاریکی میں گھرے رہنے کے بعد عام طور پر خلقت قبول حق میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی، درعیہ کے قیام اور امیر محمد بن سعود کی نیک نامی نے دعوت کی کامیابی کے لئے اچھی زمین تیار کر دی، جن خوش قسمت لوگوں نے آغاز کار ہی میں جوش و خروش کے ساتھ دعوت پر لبیک کہا، اور اس سلسلہ میں خود بھی ابتلا و محن سے دوچار ہوئے ان میں بعض نام ابن غنام کی عنایت سے ہم تک پہونچ گئے ہیں،

[5] ابن غنام ان سب واقعات کا مختصر ذکر کرتا ہے، اور ۱۱۵۷ھ کے حدود میں کانت ہذہ الامور.... فی حدود سنۃ سبع وخمسین بعد المائۃ والالف من الہجرۃ (جلد ۲ ص ۴) اوپر کی تفصیلات ابن بشر کی عنوان المجد سے ماخوذ ہیں (جلد ۱ ص ۱۲-۱۱) وہ شیخ کے ترک عیینہ اور اقامت درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۸ھ بتاتا ہے (ص ۱۱)، لیکن الزہراء میں اسی عنوان المجد کے حوالہ (ص ۱۶) سے انتقال درعیہ کی تاریخ ۱۱۵۷ھ بتائی گئی ہے، ہمارے پاس عنوان المجد کا نیا مکمل اڈیشن ہے، (مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۴۹ھ) غالباً پہلے ناقص اڈیشن (مطبوعہ بغداد ۱۳۲۸ھ) میں ایسا ہی چھپ گیا ہوگا، ہمارے پاس وہ نسخہ موجود نہیں، اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے،

خاندانی اور باوجاہت لوگوں میں محمد بن سعود کے تین بھائیوں مشاری[1] ثنیان اور فرحان کے نام پہلے آتے ہیں، اہل علم میں احمد بن سویلم اور عیسیٰ بن قاسم زیادہ ممتاز تھے، اور عام رسوخ و اثر کے اعتبار سے محمد الحزیمی، عبداللہ بن دغیثر، سلیمان الوشیقری، حمد بن حسین اور محمد بن حسین کے نام آج تک زبان زد ہیں فلبی (ص ۱۳-۱۲) کے بیان کے مطابق:

"یہ وہابیت کے پہلے بہادر کارکن تھے، ان کے نام آج تک عزت سے لئے جاتے ہیں، اور ان کی اولاد سلطان کے دربار میں اعزاز کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔"

ابن معمر کی زود پشیمانی

دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پا کر ابن معمر سے نہ رہا گیا، اسے اپنے پہلے طرز عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی، اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی، ساتھ ساتھ عُیینہ واپس چلنے کی درخواست بھی کی، شیخ نے جواب میں صاف کہا:

"اب یہ امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں، ورنہ انہیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں۔"

یہ واضح جواب پا کر ابن معمر نے خود میزبان محمد بن سعود سے اجازت طلب کی لیکن وہ اس

[1] یوں تو اس دعوت اور پھر آگے چل کر جہاد و قتال کے سلسلہ میں امیر محمد بن سعود اور ان کے پورے گھرانے نے نمایاں کام کئے، لیکن ہمیں یہاں بحث صرف شیخ کی دعوت سے ہے، اور اس سلسلہ میں ثنیان بن سعود (م ۱۱۸۶ھ) اور مشاری بن سعود (م ۱۱۸۹ھ) زیادہ ممتاز ہیں، مشاری نے بھائی کی بڑی امداد کی، اور ان کے بیٹے حسن بن مشاری نے لڑائیوں میں شمشیر آبدار کے خوب خوب جوہر دکھائے، ثنیان بن سعود، زاہد اور عفیف النفس تھے، گو وہ بینائی سے محروم تھے لیکن ان کی بصیرت بڑھی ہوئی تھی اصل میں محمد بن سعود انہی کے مشورہ سے شیخ کی امداد پر کمربستہ ہوئے، (روضۃ الافکار جلد ۲ ص ۹۴، ۱۰۵، عنوان المجید جلد ۲ ص ۱۰-۹)

نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کو تیار نہ تھے، (عنوان ص۱۳)

دورِ عمل

شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہان جہالت کی گرم بازاری تھی، شیخ نے سب سے پہلے وعظ و درس کے حلقے قائم کئے، اور خود صبح سے شام تک آنے والون کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے، اور اپنی دعوت، دعوتِ توحید و اخلاص فی عبادۃ اللہ کی اہم اور ضروری چیزین ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے، شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت کی سچائی نے فوری اثر دکھایا، مجالسِ وعظ و تذکیر سے یہ فائدہ پہونچا کہ دلون سے ماالفینا علیہ آباءنا کا زنگ دور ہونے لگا، اور رسم و رواج کے خرافات کو وہ صرف قرآن و حدیث کی روشنی مین دیکھنے لگے،

ان مجالس کی کشش دور دور سے تشنگانِ علم کو درعیہ لے آئی، جہان رزق کی تنگی کے باعث یہ علم و عمل کے پیاسے راتون کو کسی حرفت کے ذریعہ قوت لایموت حاصل کرنے کی کوشش کرتے، اور دن کا وقت اللہ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ پیغمبر (ص) کی بتائی ہوئی باتون کے سننے کے لئے وقف رہتا، شاگردون اور ارادتمندون کی زیادتی اور ان کی میزبانی کے باعث شیخ برابر مقروض رہتے، بہرحال دعوت کی مقبولیت دن پر دن بڑھتی گئی، اور آنے والون کا تانتا بندھا رہتا،

(عنوان: ص ۱۵ و ۱۳)

دعوت کی وسعت

اہلِ درعیہ تو شیخ کے قدم رکھتے ہی عقیدت مندون مین شامل ہوگئے، لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے، نجد کے مختلف حصّوں اور ان کے سردارون کو ترغیب دیتے، اور اپنی دعوت سے آگاہ کرتے، گو مخالفین بھی ہوئین، اور افترا پردازیون مین بھی کوئی کمی نہین کی گئی، پھر بھی حق کی آواز بلند ہوتی گئی، اور آہستہ آہستہ اس کے ثمرات بھی ظاہر ہونے لگے، قیام درعیہ کے دوسرے ہی سال (۱۱۵۸ھ یا ۱۱۵۹ھ: عنوان ص۱۶) امیر عُیَینہ نے آکر بیعت کی، اور حدود شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا، تھوڑے ہی دنون کے بعد اہلِ حریملا نے بھی بیعت کی، ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت کا یہ عالم تھا، کہ خُمس اور زکوٰۃ کی تمام رقمین شیخ کے ہاتھ میں دیجاتین، اور وہ انھیں بے دریغ اللہ کی راہ مین خرچ کرتے، امیر ابن سعود اور اُن کے جانشین عبدالعزیز بن محمد بن سعود جو ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء مین اپنے والد کی وفات کے بعد منصبِ امارت پر متمکن ہوئے شیخ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ تصرف روا نہیں رکھتے، با این ہمہ شیخ کی للّٰہیت کا یہ حال تھا، کہ وہ اپنے پاس ایک حبہ بھی نہیں رکھتے، اور جو کچھ آتا، سب اللہ کی راہ مین صرف کر دیتے،

ابن بشر کا بیان ہے (ص۱۵) کہ خمس اور زکوٰۃ سے جو کچھ آتا، وہ فوراً تقسیم کر دیتے، انکی اس فراخ دستی کا نتیجہ یہ تھا، کہ وہ برابر مقروض رہتے، صرف فتحِ ریاض (۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء)[۱] کے وقت ان پر چالیس ہزار قرض تھا، جو مالِ غنیمت سے ادا کیا گیا" (عنوان ص۱۵)

یہ سارا قرض اور یہ تمام دریا دلی تبلیغ کے سلسلہ مین ہوتی تھی، جو فتحِ ریاض تک برابر جاری رہی، فتحِ ریاض کے بعد شیخ کو اپنی دعوت کی کامیابی کے متعلق ایک گونہ اطمینان ہوگیا، تو انھون نے امیر عبدالعزیز کو سیاہ و سپید کا مالک بنا کر اپنے کو بیت المال کے انتظامات سے بالکل الگ کر لیا، اور اپنی تمام توجہ تعلیم و تدریس پر مرکوز کر دی، لیکن عبدالعزیز شیخ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے، ہر کام مین ان کی رائے مقدم تھی، (عنوان ص۱۵)

تبلیغ عام

اب تک شیخ کی دعوت نجد کے اضلاع تک محدود رہی، لیکن یہ دعوت عام تھی، اصلاح کی ضرورت صرف نجد مین نہ تھی، تمام اسلامی دنیا انحطاط کے عالم مین تھی، اصلاح کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے، اسلئے قدرتی طور پر عُیینہ، حُریملا، درعیہ اور عارض کے دوسرے قصبے شیخ کی دعوت کے اولین مرکز بنے، لیکن جونہی ان علاقون مین زندگی کی علامتین ظاہر ہوئین، شیخ نے اپنی دعوت کا

۱؎ ریاض پر مکمل قبضہ ربیع الثانی ۱۱۸۷ھ کے اواخر مین یا اوس کے بعد ہوا، (جولائی ۱۷۷۳ء): روضۃ الافکار جلد ۲ ص ۹۷، ۹۵؛ عنوان المجد جلد ۱ ص ۶۰-۶۱؛ فلبی؛ ص ۲۵،

حلقہ وسیع کیا، اور دور دور کے شہرون کے علماء، امراء اور قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے، اور انھین
اپنی دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگے، پر کم تھے وہ جنھون نے شروع شروع دعوت قبول کی،
زیادہ وہ تھے جنھون نے شیخ کی دعوت کا مذاق اڑایا، کسی نے انھین جاہل کہا، کسی نے جادوگر، اور
کسی نے ایسی تہمتیں لگائین جن سے وہ پاک تھے" (عنوان ص ۱۴)

دعوت پر لبیک کہنے والون اور اس کی حمایت کرنے والون مین سب سے زیادہ ممتاز صنعاء یمن کے
مجتہد المنتظر عالم امیر محمد بن اسماعیل (م ۱۱۸۲ھ)[5] تھے جنھون نے شیخ کی دعوت پاکر اپنا مشہور وجد آفرین
قصیدہ لکھا، جو اہل علم مین بہت مقبول ہوا، اس کا مطلع یہ ہے :-

سلامی علی نجد ومن حل بالنجد — وان کان تسلیمی علی البعد لایجدی

اس قصیدہ مین شیخ کی مدح، بدعات کی برائی، اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی پرزور تردید اور
بہت سی مفید باتین ہین،

امیر محمد بن اسماعیل کو شیخ کی دعوت سے زیادہ خوشی اسلئے ہوئی، کہ وہ اس سے پہلے اپنے
کو اس باب مین منفرد خیال کرتے تھے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے :-

لقد سرنی ماجاءنی من طریقہ — وکنت اری ہذی الطریقۃ لی وحدی

شیخ کو امیر یمنی کے قصیدہ اور تائید سے بڑی تقویت ہوئی، بعض رسالون مین انھون نے

---

۵ امیر محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی اپنے وقت کے امام اور مجتہد مطلق کا رتبہ رکھتے تھے، ولادت شب جمعہ ۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۰۹۹ھ کحلان مین ہوئی، وفات کی تاریخ سہ شنبہ، ۳ر شعبان ۱۱۸۲ھ ہے، ان کے مختصر توحیدی رسالہ تطہیر الاعتقاد عن درن الالحاد کا حوالہ آچکا ہے، آگے بھی ذکر آئے گا، تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو [illegible] ذیل ج ۲ ص ۵۵۶؛ دیگر حالات کے لئے البدر الطالع جلد ۲ ص ۱۳۳-۹، عنوان المجد جلد ۱ ص ۶-۵۲، اعلام صاحب نے سنہ وفات ۱۱۸۱ھ (تاریخ نجد ص ۱۷۴) لکھی ہے جو صحیح نہین،

یمنی کے قصیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے، (ابن غنام جلد ۲ ص ۴۲) مکمل قصیدہ کے لئے ملاحظہ ہو: ابن
غنام جلد ۱ ص ۸-۵۶)

شیخ کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۸ھ؛ عنوان ج ۱ ص ۱۰۲) جو اپنے باپ کی جگہ حریملا
مین قاضی تھے، اوّل اوّل ان کے مخالف ہوئے، اور ان کی تردید مین رسالے لکھے، جو غلط بیانیون
سے پر تھے، (۱۱۶۷ھ) ابن غنام کی زبان مین انھون نے "حسداً وغیرۃ" مخالفت کی تھی، (جلد ۲ ص ۲۱)
شیخ نے ان کی تردید مین رسالے بھی لکھے، (ابن غنام ج ۲ ص ۵۲، ۴۴) لیکن آخر مین انھین توفیق ہوئی
اور اپنے بھائی کے پاس تائب ہو کر آئے، (ابن غنام ج ۲ ص ۱۰۸)[1]؛

"رجع الی اخیہ بالدرعیۃ تائباً سنۃ ۱۱۹۰ فاحسن الیہ الشیخ واکرم مثواہ"،
(۱۱۹۰ھ مین تائب ہو کر اپنے بھائی کے پاس درعیہ آئے، تو شیخ حسن سلوک سے پیش آئے، اور
ان کی آؤبھگت کی،

سلیمان بن عبدالوہاب کا رسالہ الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ کے نام
سے چھپا ہوا ملتا ہے، مخالف اس رسالہ کا ذکر کرتے ہین، لیکن سلیمان کی "توبہ اور رجوع" کا نام بھی
زبان پر نہین لاتے،

سلیمان بن عبدالوہاب کی مخالفت ۱۱۶۷ھ مین بہت تیز ہو گئی تھی، اسی سال شیخ نے اطراف
واکناف سے مسلمانون کو جمع کیا، اور ان کے سامنے اپنی دعوت پر واضح اور کھلی ہوئی تقریر کی،
(ابن غنام: ۲: ۲۳)

دعوت کی بنیاد اور اس کی موافقت و مخالفت کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا، یہان صرف
دعوت کی عمومیت دکھانا تھی تشنگان علم تو درعیہ جوق جوق آتے ہی تھے، شیخ کے تبلیغی رسائے

---

۱ نیز ملاحظہ ہو، عنوان المجد جلد ۱ ص ۶۵،

مبلغین اور ہدایت نامے بھی اطراف و اکناف مین پھیل رہے تھے،

ابن دواس اور دوسرے مخالف درعیہ کی اقامت کے تیسرے ہی سال ۱۱۵۹ھ دہام بن دواس حاکم ریاض کی زیادتیون نے شیخ اور امیر محمد بن سعود کو اپنی طرف متوجہ کیا، ریاض اور منفوحہ کے موحدین کو صرف اتباع شیخ کے جرم مین اوس نے گوناگون زیادتیون کا شکار بنایا، مجبوراً شیخ نے بھی اپنے پیرو ون کو مقابلہ اور مقاتلہ کا حکم دیا، پھر کیا تھا، امیر محمد بن سعود، ان کے بھائیون اور بیٹون نے معاندین کی خوب خبر لی، اور جنگ و قتال کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا،

صرف دہام بن دواس حاکم ریاض سے پچیس تیس سال چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ قائم رہا، ۱۱۵۹ھ سے ۱۱۸۶ھ تک دونون قوتین برسر پیکار رہین، آخر ۱۱۸۶ھ مین عبدالعزیز محمد بن سعود کے تازہ حملہ کی خبر پاکر ابن دواس شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اور قلب نجد (ریاض) پر امیر عبدالعزیز کا مکمل قبضہ ہوگیا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فلبی ص ۲۵ - ص ۱۳؛ ابن غنام اور ابن بشر کی ترتیب سنین کے اعتبار سے ہے، اس لئے یکجا واقعات نہین مل سکتے)

اسی دوران مین آس پاس کی دوسری طاقتین بھی حملہ آور ہوئین، عثمان بن معمر، حاکم عیینہ نے بار بار دھوکا دیا، اہل نجد اور شیخ کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھکر مخالفون نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے، سلیمان بن محمد بن سحیم نے شیخ پر بہتان باندھے، اور ان کی طرف قسم قسم کی برائیان منسوب کین، خلیج فارس، احسا، اور دوسرے ملکون کو اس نے رسالے لکھ کر بھیجے، (ابن غنام جلد اول ص ۸۰-۱۰۳) شیخ نے ان مین سے ایک رسالہ کا مفصل جواب دیا ہے، (ص ۱۶۷-۱۴۲) افترا پردازیون اور جواب کی نوعیت پر آگے گفتگو ہوگی، ایک طرف یہ نام نہاد علم و عمل کے اجارہ دار تھے، دوسری جانب چھوٹے چھوٹے علاقون کے سردار، اپنی اپنی خود مختاری کے بچاؤ کی خاطر ان افترا پردازون کا ہاتھ بٹانے لگے،

پر ان تمام رکاوٹون کے باوجود، دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، اور مطوع درعیہ سے نکل کر نجد کے تمام علاقون مین پھیل گئے، تاآنکہ کم از کم قلب جزیرہ مین محمد بن عبداللہ (فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اپنی اصلی صورت مین جلوہ گر ہوگئین،

وفات شیخ نے پچاس ساٹھ سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد شوال یا ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ مین رحلت کی، (جون یا جولائی ۱۷۹۲ء)[۵]

دنیا و مافیہا سے بے نیاز عجیب ہستی تھی، کم لوگون کو اپنی زندگی مین ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی،

شیخ کے شاگرد ابن غنام نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا تھا، جو روضۃ الافکار (ص ۱۷۰) مین منقول ہے، اس کا مطلع یہ ہے :-

الی اللہ فی کشف الشدائد نفزع — ولیس الی غیر المھیمن مفزع

---

[۵] ابن غنام (۲: ۱۷۴) کے مطابق شوال ۱۲۰۶ھ (جون ۱۷۹۲ء) کے آخری دوشنبہ کو وفات ہوئی، ابن بشر (۱: ۹۵) اواخر ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ، (جولائی ۱۷۹۲ء) کی تصریح کرتا ہے، فلبی (ص ۵۷) نے تاریخ رحلت اواسط اپریل ۱۷۹۲ء بتائی ہے، صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کے باعث بروکلمن (ذیل ۲: ۵۳۰، ۱۷۹۱ء) سے مطابقت مین چوک ہوگئی، ڈی، مارگولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: وہابیہ: ۴: ۱۰۸۶) نے تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۷ء بتائی ہے، جو فاش غلطی ہے، البیب تبنونی (الرحلۃ الحجازیہ ص ۱۰۵) نے بھی تاریخ وفات غلط (۱۲۰۷ھ) لکھی ہے، الرحلۃ الحجازیہ کا ماخذ غالباً زینی دحلان کی کتاب خلاصۃ الکلام رہی ہو، (ملاحظہ ہو: ص ۲۲۹) مزید لطف یہ ہے، کہ دحلان تاریخ ولادت (۱۱۱۱ھ اور تاریخ وفات ۱۲۰۷ھ) دونون غلط بتاتا ہے، لیکن عمر (۹۲ سال) صحیح لکھتا ہے، (رر رر) الدرر السنیۃ (ص ۵۳) مین دحلان نے تاریخ وفات صحیح لکھی ہے لیکن اور دلچسپیان بدستور ہیں،

ایک بڑی خصوصیت تاریخِ اسلام مین بارہا ایسا ہوا ہے، کہ غیر معمولی شخصیتین، مہدویت یا مسیحیت کے لباس مین جلوہ گر ہوئی ہین، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ وہ مفید ہونے کے بدلے دین اور اسکی وحدت کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوئی ہین، ہم اسے شیخ الاسلام کی دعوت کی انتہائی کامیابی خیال کرتے ہین کہ ان کی تعلیمات اور ان کے پیروان اوہام سے بالکل الگ تھلگ اور خطرات سے بال بال بچے رہے، بعض جاہلون نے افترا پردازیان کین، پر ان کے ماننے والے اور جانشین اپنے عقیدون مین اتنے صاف اور واضح تھے، کہ ان کی ایک نہ چلی، اور نجد کے موعدین کوششون کے باوجود ان کی تصنیفات اور رسالون سے کوئی ایسا الزام نہ تراشا جا سکا، ان کی کتابین کھلی ہوئی اور دو دو چار کے انداز مین اپنے لکھنے والے کی جرأت اور صداقت کی شہادت دیتی ہین، پوری کتاب التوحید پڑھ جاؤ، کوئی غموض، تصوف، توہم، دور از کار باتین، منطقیانہ استدلال، یونانی کج بحثی، ان مین کسی چیز کا ادنی شائبہ بھی نہ ملے گا،

دوسری خصوصیت محمد بن عبدالوہابؒ ایک ٹھیٹھ عالم تھے، پر ان کی نگاہین بڑی دور رس تھین؛ انھون نے اپنی زندگی مین دعوت کے ثمرات دیکھے، دینی ثمرات بھی اور دُنیوی پھل پھول بھی۔ ان کی زندگی مین نجد کا پورا علاقہ مفتوح ہوچکا تھا، امیر نجد اور اس کے اہلِ خاندان قدمون پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے، سارا جاہ و حشم شیخ کی جوتیون کا صدقہ تھا، مجاہد اور عام قوم انہی کو جانتی تھی، اور انہی پر فریفتہ تھی، وہ چاہتے تو سلطنت مین اپنی اولاد کا حصہ رکھتے، خود زمامِ حکومت اپنے ہاتھ مین لیتے، لیکن انھون نے اپنے کو ان ذمہ داریون سے یکسر الگ رکھا، امیر محمد بن سعود اور ان کے جانشین امیر عبدالعزیز ان کے مشورون کے بغیر کوئی کام نہین کرتے، اور نہ کرنا چاہتے، سارا مالِ غنیمت اُن کے قدمون پر لا کر ڈال دیا جاتا، لیکن اس اللہ کے بندے

---

[1] ملاحظہ ہو، احمد زینی دحلان: الدرر السنیہ ص ۴۲۔

نے اپنے کام سے کام رکھا، جب تک ضرورت رہی دخل دیتے رہے، جونہی انھون نے محسوس کیا کہ اب دعوت کی بنیادین استوار ہوگئی ہین، اپنے کو ملکی انتظامات اور مالِ غنیمت کے نظم و نسق سے یکسر الگ کرلیا، شیخ کی اس بے نفسی کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی اولاد بھی دنیاوی جاہ و حشم سے الگ دین کی خدمت مین مصروف رہی، اور آج تک جبکہ شیخ کی وفات کو ڈیڑھ سو برس ہوگئے، کبھی اون کی اولاد تخت و تاج کے لئے آلِ سعود سے دست و گریبان نہین ہوئی،

اولاد و احفاد شیخ کے شاگردون اور ان کے حلقۂ درس و ارشاد سے مستفید ہونے والون کا شمار و استقصار، تو تقریباً ناممکن ہے، جس درس مین پچاس ساٹھ سال مسلسل خوشہ چینیون کا تانتا بندھا رہا ہو، اس کی وسعت و ہمہ گیری کا کیا ٹھکانا؟ اگر شاگردون کا ذکر کیا بھی جائے، تو تذکرے اور تراجم کی کمیابی الگ دامن پکڑتی ہے، اس لئے ہم شیخ کے شاگردون مین صرف ان کی اولاد و احفاد کا تذکرہ کرین گے، جو بجا طور پر اب آل الشیخ کے نام سے پکارے جاتے ہین، اور یہی ان کا نسب ہے، یہ شیخ کی خوش نصیبی تھی، کہ انھون نے اپنے ایسے جانشین چھوڑے، جو بالکل انہی کے طریقہ کے مطابق سنتِ رسول کے تتبع اور تبلیغ و تدریس مین مشغول رہے، اور اس سے زیادہ مسرت و اعجاب کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ آج تک منقطع نہین ہوا، اور عبدالعزیز اول (۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء – ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) کے عہد سے لیکر آج تک ان کی اولاد علم و عمل مین پورے نجد مین ممتاز ہے، اور لوگ دور و نزدیک سے ان کے پاس کھنچ کھنچ کر استفادہ کے لئے آتے ہین،

شیخ کثیر العیال تھے، بعض لڑکے انکی زندگی ہی مین وفات پاگئے، وفات کے وقت انھون نے چار بیٹے چھوڑے، حسین، عبداللہ، علی، ابراہیم،

ابن بشر کہتا ہے، کہ "مین نے اپنی آنکھون سے ان کے درس مین طلبہ کا اتنا ہجوم دیکھا کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید اُسے یقین نہ آئے"

ان مین سے ہر ایک کے گھر کے پاس ایک مدرسہ تھا، جس مین پردیسی طالب علم رہا کرتے، اور ان کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے، یہ لوگ شب و روز تحصیل علم مین مصروف رہتے،

(عنوان: جلد ۱ ص ۹۳)

ان مین حسین[1] بڑے تھے، اور شیخ کے بعد اصلی جانشین وہی سمجھے جاتے تھے، درعیہ کے قضا پر مامور تھے، درعیہ کی جامع مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد تھی، سنہ ۱۲۲۴ھ مین وفات پائی، (عنوان ج ۱ ص ۱۴۳) ان کے متعدد بیٹے تھے، اور سب کے سب علم و عمل مین ممتاز،

ابن بشر نے علی، حمد، حسن، عبدالرحمن، عبدالملک کے نام گنائے ہین، ان مین علی بڑے اور علم مین بھی ممتاز تھے، اسلئے اپنے اعمام کے مقابلہ مین منصب قضا پر مامور ہوئے، سعود بن عبدالعزیز (سنہ ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء - سنہ ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء) عبداللہ بن سعود (مصلوب سنہ ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ء) ترکی بن عبداللہ (مقتول سنہ ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (م سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء) مختلف امیرون کے عہد مین عہدۂ قضا پر مامور رہے، سنہ (؟) مین وفات پائی، حمد زمانہ طالب علمی ہی مین وفات پا گئے، حسن ترکی بن عبداللہ کے زمانہ مین ریاض کے قاضی تھے، فقہ مین اچھی دستگاہ تھی، عمر کم پائی، اور سنہ ۱۲۴۵ھ مین دار آخرت کو چل بسے، عبدالرحمن ترکی، اور فیصل دونون کے دورِ حکومت مین منصب قضا پر فائز ہوئے، فقہ، تفسیر اور نحو کے اچھے عالم تھے، (عنوان جلد ۱ ص ۹۳)

عبدالملک بن حسین بھی فیصل کے عہد مین حوطہ کے قاضی تھے، عبدالرحمن بن حسین، حسن بن حسین، عبدالملک ابن حسین، سب کے سب شیخ عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب سے مستفید ہوئے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، اسی طرح حسین بن شیخ الاسلام کی اولاد مین حسین بن حمد بن حسین بن شیخ الاسلام (قاضی حریق بعہد فیصل) حسین بن علی بن حسین بن شیخ الاسلام (قاضی ریاض بعہد فیصل) اور عبداللہ بن حسن بن حسین بن شیخ الاسلام

[1] دحلان (خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے لکھا ہے، کہ عبداللہ بڑے تھے، لیکن ابن بشر کی روایت و شہادت کے مقابلہ مین اسے کوئی اہمیت نہیں دیجا سکتی،

بھی شیخ عبدالرحمن بن حسن شیخ الاسلام سے مستفید ہوئے،

شیخ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب بھی بڑے عالم تھے، ان کا شمار علمائے مصنفین میں تھا، حسین بن محمد کی وفات کے بعد یہی شیخ الاسلام کے جانشین مانے جاتے تھے، خود حسین بن محمد کی زندگی مین ان کی علمی حیثیت مسلم ہو چکی تھی، سنہ ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء مین امیر سعود بن عبدالعزیز کے داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت یہ ساتھ تھے، اور امیر سعود نے اپنی جماعت کے عقائد سے متعلق جو رسالہ تقسیم کرایا تھا، وہ انہی عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے قلم کا لکھا ہوا تھا، (الدرر السنیۃ ص ۵۴-۴۱: اس رسالہ اور اوس کے ترجمون کا ذکر آگے ماخذ کے ضمن مین آئے گا) سنہ ۱۲۳۳ھ مین ابراہیم پاشا کے حملہ درعیہ کے وقت وہ موجود تھے، لیکن مصری فوجون کی وحشت اور غارت گری تاب سے دیکھی نہ گئی، آپ تلوار لے کر میدان میں کود پڑے:

(فشھر سیفہ عبداللّٰہ بن الشیخ محمد بن عبدالوھاب وانتدب واجتمع علیہ الخ (عنوان جلد ۱ ص ۲۰۶)

اور خوب دادِ شجاعت دی اور شاید شہید ہوئے[1]، ان کے دو بیٹے سلیمان بن عبداللہ اور علی بن عبداللہ بھی

[1] ابن بشر شیخ عبداللہ بن محمد کی بہادری اور قتال کا ذکر کرتا ہے، لیکن شہادت کے بارے مین خاموش ہے، بعد کے صفحات مین مقتولین و شہدا کی فہرست (جلد ۱ ص ۲۱۰ - ص ۲۰۸) مین ان کا نام نہین آتا، عبداللہ بن سعود (مصلوب سنہ ۱۲۳۴ھ) کے عہد کے بعد کسی سلسلہ مین عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کا ذکر نہین آتا، ممکن ہے وہ اسی معرکہ مین شہید ہوئے، یا اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح ابراہیم پاشا کے ہاتھ سے ذبح کئے گئے ہون، اونگلی (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۸۴۲ء ص ۶۰) کے بیان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، دحلان (ص ۲۲۹) سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے قتل کا ذکر کرتا ہے، لیکن عبداللہ کے بارے مین خاموش ہے، ابن بشر کا ایک دوسرا بیان عبداللہ بن شیخ الاسلام کے قتل کی تردید کرتا ہے، وہ لکھتا ہے:-

سقوطِ درعیہ کے وقت قتل کئے گئے، سلیمان ممتاز عالم تھے، اپنے والد کی موجودگی مین درعیہ کے قاضی رہے، (عنوان جلد ۱ ص ۲۰۹) نیز امیر سعود کے دورِ امامت مین کچھ دنون مکہ مکرمہ مین بھی انھون نے قضا کے فرائض انجام دیئے، (۱: ۱۶۶) امیر سعود بن عبدالعزیز (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء - ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) کی مجلس مین صحیح بخاری کا درس ان کے سپرد تھا، (ص ۱۷۰) جو بہت بڑا علمی امتیاز تھا، خود عبداللہ بن شیخ الاسلام امیر سعود کی مجلس مین تفسیر طبری اور ابن کثیر کا درس دیتے تھے، ابن بشر (۱: ۱۶۹) خود ان مجلسون مین شریک رہا ہے، اس کے بیان سے ان علمی مجلسون کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، (۱: ص ۱۷۰، ص ۱۶۸) ابن بشر نے ان کے طریقۂ تعلیم و تحدیث کا اچھے الفاظ مین ذکر کیا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مین بہت ممتاز تھے (ص ۲۱۰) اسی لئے دحلان (خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے انھیں ان کے والد سے "زیادہ متعصب" بتایا ہے، کتاب التوحید کی ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۵)

عبداللہ مذکور کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن تھے، جو انہی کے ساتھ کم سنی ہی مین مصر جلا وطن کر دیئے گئے تھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ازہر کے رواق حنابلہ میں مقیم ہین، اور ان کے پاس طلبہ آتے جاتے ہین، اور ان مین علمی ذوق ہے، (جلد ۱ ص ۹۴)

دحلان صرف عبدالرحمٰن کی جلاوطنی اور موت کا ذکر کرتا ہے، اسکے بیان کے مطابق عبدالرحمٰن ۱۲۳۳ھ مین گرفتار کرکے مصر بھیج دیئے گئے تھے، ایک مدت تک زندہ رہے، اور وہین انتقال ہوا (خلاصہ ص ۲۲۹) سنہ وفات مذکور نہین۔"

ان بیانات سے عبداللہ بن شیخ الاسلام کی وفات یا شہادت کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا، اوکنلی نے غالبًا Dalgrave کے بیان پر اعتماد کیا ہے، لیکن خود پالگریو (ص ۳۰۹) اولاً تو ضعیف سند (Slight authority) کی بنیاد پر ذکر کرتا ہے دوسرے اسے عبداللہ بن شیخ الاسلام کے بیٹے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام مین امتیاز نہیں، تیسرے وہ یون بھی ضعیف الروایۃ ہے، (پالگریو کا ذکر ماخذ مین تفصیل سے آئے گا)

شرح بھی لکھی تھی، جو ابن بشر کے بیان کے مطابق نامکمل رہی[۱]، اپنے والد شیخ احمد بن ناصر بن معمر (م ۱۲۲۵ھ) اور شیخ حسین بن غنام (م ۱۲۲۵ھ) سے تحصیل کی تھی، ۱۲۳۳ھ کے اواخر مین قتل کئے گئے، ان کے قتل کا واقعہ بھی عجیب دردناک ہے، ملاحظہ ہو، (باب دوم) اس کے علاوہ ان کی ایک دوسری تالیف (کتاب التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اہل العراق) مطبوعہ ۱۳۱۹ھ ہمارے پیش نظر ہے، جو ان کی وسعتِ علم کی شاہد ہے، علی بن عبداللہ بن الشیخ ۱۲۳۴ھ مین درعیہ کے قریب شہید ہوئے، حدیث و تفسیر مین اچھی دستگاہ تھی، (عنوان ج ۱ ص ۲۱۵) انھون نے بھی کتاب التوحید کی ایک شرح لکھی تھی، (عنوان: ۱: ۹۳) جو اسلم جیراجپوری کی تاریخ نجد (ص ۴۴)[۲] کے بیان کے مطابق فتح المجید فی شرح کتاب التوحید کے نام سے چھپ چکی ہے (دہلی ۱۳۱۱ھ) عبداللہ بن شیخ الاسلام کے تیسرے بیٹے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بھی مشہور عالم ہوئے، حسین بن شیخ الاسلام اور عبداللہ بن شیخ الاسلام کے متعدد مختصر رسالے اور فتوے ہمارے ہان (مشرقی کتاب خانہ، پٹنہ) ایک مجموعہ مین درج ہین (دستی فہرست نمبر ۲۶۲۵)

علی بن شیخ الاسلام بھی ممتاز عالم اور زہد و ورع مین ضرب المثل تھے، فقہ و تفسیر مین اچھی دستگاہ تھی، قضا کا منصب پیش کیا گیا، لیکن انھون نے غایت زہد و ورع کی بنا پر قبول نہ کیا، ان کے لڑکے کم سنی ہی مین انتقال کر گئے، صرف محمد بن علی بن شیخ الاسلام پھلے پھولے اور ممتاز عالم ہوئے، چوتھے بیٹے ابراہیم مشہور صاحب درس ہوئے، ابن بشر نے ان سے کم سنی مین (۱۲۲۴ھ) کتاب التوحید پڑھی تھی، قضا سے الگ رہے، (عنوان: ۱: ۹۴)

---

[۱] شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام نے یہ شرح مکمل کی، جیسا کہ انھون نے فتح المجید کے دیباچہ (ص ۵، جدید ایڈیشن ۱۳۸۰ھ) مین تصریح کی ہے [۲] غالبًا اسلم صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، فتح المجید کے نام سے جو شرح مطبع انصاری دہلی (۱۳۱۱ھ) مین پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی، وہ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام کی لکھی ہوئی ہے،

شیخ کے ممتاز شاگردوں میں ان کے پوتے عبد الرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام بھی نجد کے چند ممتاز عالموں میں شمار کیے جاتے تھے، ان کے والد شیخ کی زندگی ہی میں انتقال کر چکے تھے، کمسنی میں اپنے دادا سے کسب علم کیا، اور شیخ کے ممتاز شاگردوں احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر (م ۱۲۲۵ھ) اور عبد العزیز بن عبد اللہ الحصین الناصری (م ۱۲۳۷ھ) کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، شیخ عبد الرحمٰن بن حسن کی حیثیت اپنے خاندان میں علمی مجدد کی ہے، ان کی علمی منزلت شروع سے مسلّم تھی، امیر سعود بن عبد العزیز (م ۱۲۲۹ھ) اور امیر عبد اللہ بن سعود (مصلوب ۱۲۳۴ھ) کے عہد میں درعیہ کے قاضی رہے، شیخ حسین بن شیخ الاسلام کی وفات (۱۲۲۵ھ) کے بعد اس خاندان کے اُن چار افراد میں یہ بھی تھے جن کی علمی حیثیت مسلّم تھی، اور پایہ تخت (درعیہ) کے قضا کا کام جن کے سپرد تھا،[1]

سقوط درعیہ کے وقت (۱۲۳۳ھ) مصر چلے گئے تھے، بلکہ جلاوطن کر دیے گئے تھے، جب حالات استوار ہوئے، تو ۱۲۴۱ھ میں نجد واپس آئے، جہاں ان کی ذات سے پھر ایک بار علم کی گرم بازاری ہوئی، اور سینکڑوں اشخاص ان کے درس میں شریک ہو کر کامیاب نکلے، خود شیخ الاسلام کے خاندان کے بیسیوں افراد ان سے مستفیض ہوئے، (عنوان: ۲، ۲۲-۲۰) ترکی بن عبد اللہ (مقتول ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء) اور فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کے عہد میں قاضی القضاۃ اور خواص و عوام کا مرجع بنے رہے، ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود (مقتول ۱۲۴۹ھ) کی خاص مجلسوں میں درس کی خدمت انہی کے سپرد تھی، (عنوان: ۲، ۵۶) عام طور پر تفسیر ابن جریر کا درس ہوتا، فیصل بن ترکی (م ۱۲۸۲ھ) کے عہد میں بھی درس و ارشاد کی خدمت انہی کے سپرد تھی،

---

[1] اساطین اربعہ، جن کا ذکر اوپر آیا، اس ترتیب سے عزت و قدر کے مستحق سمجھے جاتے تھے:
عبد اللہ بن الشیخ، علی بن حسین بن الشیخ، عبد الرحمٰن بن حسن بن الشیخ، سلیمان بن عبد اللہ بن الشیخ،

سقوط درعیہ سے پہلے اساطین اربعہ کی دھوم تھی، حالات استوار ہونے کے بعد امیر ترکی بن عبد اللہ کے عہد میں صرف عبد الرحمٰن بن حسن بن الشیخ، اور علی بن حسین بن الشیخ رہ گئے، ترکی اور فیصل دونوں کے ایام حکومت میں، عبد الرحمٰن بن حسن اور علی بن حسین کے ساتھ ساتھ عبد الرحمٰن بن حسین بن الشیخ اور عبد الملک بن حسین کے نام بھی بار بار آتے ہیں، (عنوان: ۲، ۳، ۶۵، ۸۸) لیکن فیصل بن ترکی کے آخر دور میں (۱۲۵۶ھ کے بعد) صرف عبد الرحمٰن بن حسن بن الشیخ کا نام خاص طور پر آتا ہے، اور پھر فیصل کے بالکل آخری دور میں ان کے صاحبزادے عبد اللطیف ابن عبد الرحمٰن قضا اور تدریس پر فائز نظر آتے ہیں، علی بن حسین بن الشیخ نے کافی عمر پائی، اور غالباً فیصل کے وسط عہد حکومت (تقریباً ۱۲۶۰ھ) میں رحلت کی،[1] بہر حال فیصل بن ترکی کے آخری زمانہ حکومت میں یہ سب سے زیادہ محترم اور مخدوم تھے، بڑی عمر پائی، ابن بشر (۲، ۱۳۶) نے اپنی کتاب ۱۲۰۷ھ میں لکھی، اور ۱۲۶۷ھ کے حوادث پر ختم کی ہے، اس وقت یہ زندہ تھے، پالگریو نے اپنی سیاحت کے دوران میں (۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) ریاض میں ان سے اور ان کے صاحبزادے عبد اللطیف سے ملاقات کی تھی، (پالگریو کا سفر نامہ: ۱، ۹، ۳) لیکن اسے غلط فہمی یہ ہوئی کہ وہ انہیں عبد اللہ ابن الشیخ کا فرزند سمجھا، اور اسی سلسلہ میں عبد اللہ بن الشیخ کے قتل کا واقعہ بھی اوس نے ضعیف روایت کی بنا پر بیان کیا ہے،) ۱۲۸۵ھ میں بڑی عمر پا کر وفات پائی،

ابن بشر (۲، ۲۲) نے ان کی متعدد تالیفات اور رسالوں کا ذکر کیا ہے، سلیمان بن عبد اللہ ابن الشیخ (مقتول ۱۲۳۳ھ) کی غیر مکمل شرح کتاب التوحید کی تکمیل بھی ان کے قلم سے ہوئی تھی، جو فتح المجید فی شرح کتاب التوحید کے نام سے بار بار چھپ چکی ہے، پہلا ایڈیشن مطبع انصاری

---

[1] علی بن حسین عبد الملک بن حسین کے سال وفات کا پتہ اب تک نہیں چل سکا، ہمارا قیاس ہے کہ ان دونوں نے ۱۲۶۰ھ اور ۱۲۶۵ھ سے پہلے رحلت کی، ورنہ ابن بشر حسب دستور ان سنین میں ان کا ضرور ذکر کرتا،

دہلی (سنہ ۱۳۱۱ھ) مین چھپا تھا، دوسرا اڈیشن مطبع سلفیہ مصر مین (سنہ ۱۳۴۷ھ) عبد الرحمن قصیبی کے
خرچ سے چھپا، اور مفت تقسیم ہوا، اب اس کا تازہ اڈیشن نہایت اہتمام وصحت کیساتھ عمدہ
کاغذ پر مصر مین چھپا ہے، ناشر نے مفید حواشی بھی بڑھائے ہین،

فتح المجید کے علاوہ ان کی دوسری کتاب قرۃ عین الموحدین فی تحقیق دعوۃ الانبیاء
والمرسلین بھی چھپ گئی ہے، (مطبع المنار، مصر، سنہ ۱۳۴۶ھ) یہ اصل مین کتاب التوحید ہی کے
حواشی ہین، محمد حامد الفقی (جنھون نے فتح المجید کا تازہ اڈیشن شائع کیا ہے) نے فتح المجید کے
حواشی مین قرۃ عین الموحدین کے اقتباسات بہ کثرت دیے ہین، ان کا ایک مختصر رسالہ عنوان المجد
مین منقول ہے، (۲، ۲۶-۲۳) ابن بشر نے ان کے متعدد خطوط کے اقتباسات بھی دیئے ہین،
ان کے صاحبزادون مین محمد بن عبد الرحمن بن حسن سقوط درعیہ کے وقت (سنہ ۱۲۳۳ھ) اپنے
دوسرے اہل خاندان کی طرح قتل کئے گئے، (عنوان ۱: ۲۰۸)

عبد اللطیف بن عبد الرحمن ان کے جانشین ہوئے، یہ صغر سنی ہی مین سقوط درعیہ کے وقت
مصر چلے گئے تھے، اپنے والد اور دوسرے اہل علم سے تحصیل کی سنہ ۱۲۶۴ھ مین نجد واپس آئے اور اپنے ساتھ کتابون
کا بڑا ذخیرہ لائے آتے ہی اپنے والد کے دست راست کا کام دینے لگے، سنہ ۱۲۶۲ھ تک فیصل بن ترکی (م سنہ ۱۲۸۲ھ)
کی مجلسون مین عبد الرحمن بن حسن مدرس اور واعظ کی حیثیت سے نظر آتے ہین، (عنوان ۲: ۱۲۰) سنہ ۱۲۶۵ھ
مین عبد اللطیف بن عبد الرحمن قاضی، امام، مدرس ہر حیثیت سے آگے آگے دکھائی دیتے ہین، ابن بشر
انکے درس تفسیر کا بہت مداح ہے (۲: ۱۲۱) پالگریو نے سنہ ۱۸۶۲ء (۱۲۷۹ھ) مین ان سے ملاقات کی تھی، اس وقت
انکی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی، پایہ تخت ریاض کے قاضی تھے، (پالگریو ۱: ۹، ۳۷۰) انکی کتاب
"منہاج التقدیس والتاسیس فی رد علی المبطل داؤد بن سلیمان بن جرجیس کا ذکر آگے آیگا، انکا ایک مختصر
رسالہ مجموعۃ الہدیۃ السنیۃ (ص ۲۰۔۴۰) کے ضمن مین طبع ہو چکا ہے، اس مین شیخ الاسلام کی مختصر سیرت بیان

کی گئی ہے، سال وفات ابتک معلوم نہ ہو سکا پر اتنا یقینی ہے کہ ان کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا ان کے شاگرد
ابھی موجود ہین، (سلیمان بن سحمان: تنبیہ ذوی الالباب السلیمۃ، ص ۵)

شیخ عبد الرحمن بن حسن کے ایک دوسرے صاحبزادے اسحق بن عبد الرحمن بن حسن کا ذکر اب تک
کسی تذکرہ مین نہین ملا، لیکن ہمین ان سے واقفیت عجیب دلچسپ طریقہ پر ہوئی، ابھی گذشتہ شوال (سنہ ۵۵ھ)
مین وطن جانا ہوا، (اوگانوان ضلع پٹنہ) اور اپنے خاندانی کتب خانہ کی خستہ حال کتابون کا جائزہ لینے لگا، تو صیانۃ
الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان کا ایک نسخہ ملا، جسکے پہلے ورق پر یہ عبارت خالص عربی خط مین لکھی ملی
فی ملک الحقیر الفقیر اسحق بن عبد الرحمن بن حسن بن محمد النجدی الحنبلی عفی اللہ عنہم"
میری خوشی کا کیا کہنا! الٹنے پلٹنے پر آخر مین اسی خط مین ایک لمبا نوٹ ملا جس سے انکے علم کا بھی پتہ چلتا ہے،
درمیان مین بھی ایک مختصر سا نوٹ ہے، شروع مین نام کے نیچے مہر بھی ہے، صرف اسحاق کا لفظ صاف طور پر پڑھا جاتا ہے،
نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب ہمارے ہاں کس طرح پہونچی، قرین قیاس یہ ہے، کہ عاجز کے نانا
مولنا عبد الصمد (م سنہ ۱۳۱۸ھ) سے ان کے تعلقات ہون گے، مولانا عبد الصمد ایک جید اہل حدیث عالم
تھے، اور وقت کے مشہور اہل حدیث عالمون سے ان کے تعلقات دوستانہ اور برابری کے تھے،

(ملاحظہ ہو ندیم گیا، ستمبر سنہ ۴۰ء)

اس خاندان کے بعد کے عالمون مین عبد اللہ بن محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن (م سنہ ۱۳۴۰ھ
فرقۃ الاخوان ص ۲۰) اور محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمن کے نام ملتے ہین، محمد بن عبد اللطیف کا
ایک رسالہ (مولفہ سنہ ۱۳۳۹ھ) الدرر السنیۃ کے مجموعہ مین شامل ہے، (ص ۹۱-۹۹) محمد حامد الفقی نے
فتح المجید کے دیباچہ مین اس خاندان کے دو معاصر عالمون عبد اللہ بن حسن آل الشیخ (رئیس قضاۃ،
مملکۃ سعودیہ) اور محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف کے نام لئے ہین،

حبیب السیر، سفرنامہ ابن بطوطہ، تاریخ سلاطین، افغان مولفہ احمد یادگار، مخزن افغانی، تاریخ خان جہان لودھی مصنفہ نعمت اللہ، تاریخ داؤدی مصنفہ عبد اللہ، طبقات ناصری اور انگریزی تواریخ ہند،

۳- **جلد سوم** اسکے تین حصے ہین، مؤلف نے حصہ اول کا نام بابر نامہ، حصہ دوم کا شگرف نامہ ہمایون، اور حصہ سوم کا نام رزم نامہ شیر شاہی رکھا ہے، مؤلف کا بیان ہے کہ حصہ اول زیادہ تر تزک بابری سے (جسکو طبقات بابری بھی کہتے ہین) تالیف کیا گیا ہے، حصہ دوم اکبر نامہ مؤلفہ ابوالفضل اور تذکرۃ الواقعات جوہر سے (جسکو تاریخ ہمایونی بھی کہتے ہین) لکھا گیا ہے، حصہ سوم تاریخ شیر شاہی مصنفہ عباس خان شروانی سے (جس کو تحفۂ اکبر شاہی بھی کہتے ہین) تالیف ہوا، ہر حصہ کی تالیف مین ذیل کی کتابون سے مدد لی گئی، اکبر نامۂ ابوالفضل، حبیب السیر، روضۃ الصفا، لب التواریخ خافی خان، تاریخ فرشتہ، تاریخ رشیدی حیدر مرزا دوغلات، منتخب التواریخ بدایونی، طبقات اکبری، تاریخ داؤدی عبد اللہ، ہمایون نامہ خوند میر، ظفر نامہ ملا یزدی، تاریخ سلاطین افغانیہ مصنفہ احمد یادگار، مخزن افغانی، تاریخ خان جہان لودی مصنفہ نعمت اللہ، اور متعدد انگریزی تواریخ ہند،

۴- **جلد چہارم** اس جلد کے دو حصے ہین، حصہ اول مین سندھ، کشمیر، گجرات، مالوہ، خاندیس، بنگال و بہار، اور جونپور کے مسلمان سلاطین کی علحدہ علحدہ حکومتون کا حال ہے، دوسرے حصہ مین خاندان بہمنی، خاندان عادل شاہی بیجاپور، خاندان نظام شاہی، احمد نگر، خاندان قطب شاہی گولکنڈہ، خاندان عمادیہ، مملکت برار، اور خاندان برید شاہی، بیدر کے حالات ہین، آخر مین ایک ضمیمہ ہے، جس مین پرتگیزون کا ذکر ہے، اس جلد کی تدوین مین مؤلف نے ذیل کی کتابون سے مدد لی ہے، تاریخ سندھ میر معصوم، تاریخ کشمیر راج ترنگنی، تاریخ گجرات راس مالا، تاریخ مراۃ سکندری دکن، تاریخ قطب شاہیہ مصنفہ شاہ خور شاہ ایرانی، آخرالذکر پانچ کتابون کے انگریزی ترجمے ہوگئے ہین، مؤلف نے انہی ترجمون سے استفادہ کیا ہے،

۵- **جلد پنجم**:- اس مین جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی حکومت کے حالات ہین، اس جلد کا نام اقبال نامۂ اکبری ہے، مؤلف کا بیان ہے کہ اس مین انھون نے زیادہ تر اکبر نامہ، آئین اکبری اور منتخب التواریخ بدایونی سے حالات نقل کئے گئے ہین، مذہبی تحقیقات مین دبستان المذاہب سے مدد لی گئی ہے، منتخب اللباب خافی خان سے بھی کچھ مضامین نقل ہوئے ہین، امرار کا حال زیادہ تر مآثر الامرار سے لکھا گیا ہے، بہت کم ایسی فارسی تاریخین ہونگی، جن کی ورق گردانی نہ کی گئی ہو، انگریزی تاریخون مین جو کچھ ہے اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے"۔

۶- **جلد ششم**:- اس مین جہانگیر کے حالات ہین، اسلئے اس کا نام کارنامۂ جہانگیری ہے، جلد تزک جہانگیری کلان، تزک جہانگیری خرد (کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی) اقبالنامۂ جہانگیری مصنفۂ معتمد خان، مآثر جہانگیری مصنفہ مرزا کامگار خان مخاطب بہ عزت خان سے مرتب کی گئی ہے، ان کے علاوہ منتخب اللباب خافی خان، انگریزی تواریخ، اور کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کے مضامین سے بھی مدد لی گئی ہے،

۷- **جلد ہفتم**:- اس جلد کا نام ظفر نامۂ شاہجہان ہے، اسکی ترتیب مین زیادہ مواد بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری، اور عمل صالح مصنفہ محمد صالح سے فراہم کیا گیا ہے، بادشاہ نامہ محمد قزوینی، شاہجہان نامہ غیاث خان، اور بادشاہ نامہ محمد وارث بھی پیش نظر تھے،

۸- **جلد ہشتم**: یہ جلد بادشاہ نامہ عالمگیری کے نام سے موسوم ہے، یہ کتاب حسب ذیل تاریخون کی مدد سے لکھی گئی، عالمگیر نامہ محمد کاظم بن محمد امین، مآثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خان، فتوحات عالمگیری محمد معصوم، جسکو واقعات عالمگیری یا ظفر نامۂ عالمگیری بھی کہتے ہین، لب التواریخ خافی خان، وقائع نعمت خان عالی، جنگ نامہ نعمت خان عالی، آداب عالمگیری، رقعات عالمگیری، سیاحت نامۂ برنیر، مولف کا بیان ہے، کہ مرہٹون کی تاریخ کے لئے انھون نے مرہٹون

کی لکھی ہوئی تاریخین بھی پڑھیں، اس کتاب مین اورنگ زیب کے متعلق یوروپین مورخین کی رائے
نقل کرکے اس پر بحث کی ہے،

۹۔ **جلد نہم**:۔ اس مین آخری مغل بادشاہون کے حالات ہین، اس مین تاریخ مظفری،
لب التواریخ، سیر المتاخرین اور شاہ عالم نامہ سے مدد لی گئی، ان کے علاوہ سکھون، مرہٹون
اور انگریزون کی لکھی ہوئی تاریخین بھی زیرِ مطالعہ رہین،

۱۰۔ **جلد دہم**:۔ اس مین تین باب ہین، پہلا باب مل کی برٹش انڈیا کی جلد دوم کے پانچوین
باب کا ترجمہ ہے، جس مین دکھایا گیا ہے، کہ ہندوستان اور ہندوؤن کو مسلمانون کی سلطنت سے
فائدہ پہونچا یا نقصان، دوسرے اور تیسرے باب مین اسلامی عہد کی تعمیرات اور سکون پر
بحث ہے،

مسلمانون کے عہدِ سلطنت کی تاریخ پانچ ہزار ایک سو ایک صفحات پر مشتمل ہے،

۱۱۔ **تاریخِ ہندوستان عہدِ انگلشیہ**، اس کے چار حصے ہین، پہلے حصہ مین ۱۸۰۰ء
تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفصل حال ہے، دوسرے حصہ مین لارڈ کارنوالس سے سر جارلس مٹکاف
کے عہد تک کے کوائف ہین، تیسرے حصہ مین لارڈ آکلینڈ سے لارڈ ڈلہوزی کی حکومت تک کی
تاریخ ہے، چوتھا حصہ لارڈ نارتھ برک کے عہد حکومت پر ختم ہو جاتا ہے، کل حصے ۱۵۰۰
صفحے پر مشتمل ہین،

۱۲۔ **عہدِ ہنود کی تاریخِ ہندوستان**:۔ یہ ہندوؤن کے عہد کی ایک مختصر تاریخ
ہے، فاضل مؤلف رقمطراز ہین کہ "اگرچہ یہ میرا طفیلی دسترخوان اس قابل نہیں کہ مین اس پر ہندوؤن
کے علوم و فنون، تاریخ و جغرافیہ کی طرح طرح کی نعمتون کو اس طرح چنون کہ پنڈتون کو دعوت
بلاؤن، وہ تو اسکی طرف دیکھنے کے بھی نہین، مگر اورون کے لئے جو ان سے کم رتبہ و کم علم ہین یہ

ارمغان ہے"

(ب) ریاضی

۱۳۔ **رسالہ علم حساب**، یہ برنارڈ اسمتھ کی کتاب کا ترجمہ ہے، مترجم کا بیان ہے کہ اردو
زبان مین کسی علم حساب کی کتاب مین اس کے برابر قواعد مع ثبوت اور سوالات نہین، یہ رسالہ مترجم
کی زندگی مین تیئیس ۲۳ دفعہ سے زیادہ چھپا،

۱۴۔ **معاون الحساب**:۔ اس رسالہ مین مذکورۂ بالا رسالہ کی تمام مشکلات
کا حل ہے،

۱۵۔ **عجائب الحساب**:۔ مولف کا بیان ہے، کہ اس کتاب مین یہ مضامین ہین، اعداد
گنتی اور ان کی ترتیب و نظم، الفاظ و اعداد کے تعلقات، اعداد کے قدرتی اور عشری نظام، علم حساب
کی تاریخ اور اسکی اشاعت فرنگستان مین، یونانیون، عربون، عبرانیون، رومیون، ہندوون
اور تمام شایستہ قومون کے علم حساب کے قواعد، افلاطونی، اقلیدسی، فیثاغورثی علم حساب، بہت سے
دلچسپ و عجیب اعمالِ حساب، جیسے اتفاقات و احتمالات پانسوں کے پھینکنے اور بہت
دوسرے دل لگی کے کھیل، تعویذ و نقش بنانے کے قواعد، طلسمات اور جادو کے مربعے، اضعاف بیوت
شطرنج کے حساب، بساط شطرنج پر گھوڑون کی چالین، گنجفے کے کھیل، غرض ہر عمل و قاعدہ و سوال
اس مین ایسا ہے، کہ جس مین کوئی نہ کوئی ندرت پائی جاتی ہے:۔

ریاضی مین مؤلف مذکور کی بقیہ تالیفات حسب ذیل ہین:۔

۱۶۔ تحفۃ الاحباب (۱۷) تعلیم الحساب (۱۸) منتہی الحساب حصہ اول ترجمہ ہانڈ ارتھمیٹک (۱۹)
منتہی الحساب حصہ دوم کولنزو ارتھمیٹک کی شرح کا ترجمہ (۲۰) منتہی الحساب حصہ سوم کولنزو